میر انیس کے مراثی میں نسائی کرداروں کا فنی اور تاریخی تناظر میں ایک مطالعہ

مقالہ نگار

سیدہ پروین کاظمی

زیرِ نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال

شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

۲۰۱۱ء

تصدیق نامہ

سیدہ پروین کاظمی نے ''میر انیس کے مراثی میں نسائی کرداروں کا فنی اور تاریخی تناظر میں ایک مطالعہ'' کے موضوع پر میری نگرانی میں پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی مقالہ تحریر کرلیا ہے۔

اس بات کی تصدیق بھی کی جاتی ہے کہ مذکورہ مقالہ اوریجنل مواد پر مشتمل ہے۔ اور ہر قسم کے سرقہ جات سے پاک ہے۔

میں اس مقالے کے معیار سے مطمئن ہونے کے بعد جانچ کی غرض سے پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

ڈاکٹر ظفر اقبال

DEAN
Faculty of Arts
University of Karachi

فہرست ابواب

A CRITICAL AND IN-DEPTH STUDY OF THE FEMALE ROLE

(IN 'MASIAS OF MIR ANEES)

FIRST CHAPTER:

The first chapter of the thesis covers the life and poetic output of Mir Anees. Unfortunately, our literary critics have been rather lethargic and irresponsible in dealing with the great poet's life in general and the important milestones of his career in particular. Even the year of his birth has been quoted by them differently. In order to arrive at the correct birth date of Anees I have gone through a number of documents, his own letters and the write-ups of dependable researchers. Likewise , there was an abundance of disagreement over some other dates and events of his life. I devoted myself, like a literary Sherlock Homes indeed, to discovering and examining the events of Anees' life and unfolding the findings in their true prospective. In the same way, I gathered the details of his *Chelum* from *Akhbar-i-Oudh,* together with the particulars of the publication of his Marsias (Elegies). Furthermore, I have done my best to encompass the published verses of Anees.

SECOND CHAPTER:

In the second chapter I am embarked upon the task of probing the place of women in the arab society, and have subsequently discussed the role of women in various eras of the Iranian history. This immediately compelled me to the deal with the glimpse of Hindu women as shown in their religious texts, in contrast to the rights bestowed upon women after the advent of Islam, their new role in the social setup and the way Mir Anees narrated the praiseworthy and distinct social contribution of those exalted women in his Elegies.

THIRD CHAPTER:

The thied chapter presents an introduction of the noble ladies of Kerbala, their positions, their situations and their sublime conduct. All this has been spelled out by Anees in the shape of a living reality, an eternal truth. Additionally, Mir anees has done well to graphically describe the feelings, emotions, love, and sense of duty and fulfillment of Kerbala's eminent female personalities. All of this flows from the pen of Anees in the form of exquisite portraits, further enriched by the needed clarifications and explanations.

FOURTH CHAPTER:

In the fourth chapter one is told that it were none other than the women of the Kerbala epic who had so gracefully come forward to set a brilliant historical precedent by injecting courage and fortitude into the dejected hearts of those devastated companions, the remnants of the glorious caravans of Hussain, consequent upon the great Martyrdom. Mir Anees has taken pains to introduce each lady of Kerbala in strict accordance with her status, her position and her personality. We on our part have made an honest effort to bring them forth to the accomplishment of the relevant couplets of Anees, and have offered a thorough appreciation from the point of view of a critic and researcher.

FIFTH CHAPTER:

The fifth chapter deals with the review of Kerbala ladies' civilizational and cultural activities. Civilization and culture are two words that are generally used as synonyms and subtitles. They represent etiquette, politeness, decorum, relationship between seniors and juniors and proper regard for the social rank and file. As for the feelings of natural love and intellectual love, they have been highlighted by examples, derived, of course, form the Anees marsias. This goes hand in hand with an evaluation of the noble ladies' cultural and social activities which had left their distinct imprint upon individual and collective lives of the society.

SIXTH CHAPTER:

The sixth chapter emphasizes the fact that Mir Anees has very dexterously exemplified the various facts and angles of intricate social cultural and human relationship through the female characters, illustrating their emotions, and presenting their conversation and dialogue in a very admirable manner. In view hereof, we have first tried to emphasize the importance of proverbs, idioms and styles of daily speech. This done, we have offered, within the linguistic and cultural perspective, an in-depth analysis of the female speech and expression, proverbs and idioms found in the Marsias of Mir anees.

SEVENTHCHAPTER:

The seventh chapter tells us that over the preceding fourteen centuries a great deal of literature has been produced in most of the world languages about the soul-stirring event of Kerbala and its characters. Marsia (elegy) took roots in the deccan with the poetry of Quli Qutub Shah, whose work has been discussed here. In those days marsias were following the style of *ghazal* (a collection of amorous couplets), purposefully avoiding the female characters. But as the marsia tradition moved forward the new generation of elegies, e.g. Miskeen, sauda, felt free to mention the exalted ladies of Kerbala. This trend was heightened by Dilgeer and Mir Zameer, who excelled their predecessors by emphasizing the role of female characters in an impressive manner. The elegists preceding Mir Anees have all been gathered in a single chapter, so that they could properly be appreciated in the light of the ever changing consciousness and wisdom of the age.

EIGHTH CHAPTER:

The eighth chapter of the thesis arrives at the conclusion, with a reference to Anees poetrys' influence on the social order of his days, that the poetry of a historical period is profoundly and unmistakably affected by the social and political developments of the time, else it fails to win public acclaim. Mir Anees set the pattern by describing social customs of his time. Viz., *Mehndi* of Hazrat Qasim, the agony of widowhood. This pattern was heartily followed by the ensuring elegists in their own Marsias, and we have discussed the works and styles of a few of these laurelled luminaries.

::: END :::

پیش لفظ

مرثیہ کی روایت بے حد قدیم ہے۔ میں نے بچپن سے آج تک مختلف مرثیہ گو شعراء کے مرثیے سنے، لیکن ایک بات جس کا شدت سے احساس ہوتا ہے، وہ یہ کہ کربلا کی خواتین کا تذکرہ اس انداز سے پیش نہیں کیا گیا، جیسا ان کا حق تھا۔

میر انیسؔ کے مراثی پر بے شمار لوگوں نے کام کیا، مگر خواتین کربلا کے کرداروں کا ذکر نہیں ہوا۔ یہی وجہ میرے اس مقالے کے موضوع کا سبب بنی۔ بہت عرصے سے میں یہ کام کرنا چاہتی تھی، مگر زندگی میں اتنی مہلت نصیب نہ ہوئی کہ سنجیدگی سے اس کام کو سرانجام دے سکوں۔ اب اپنی بیشتر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد کچھ وقت میسر آیا تو میں نے کسی لمحہ کو ضائع کیے بغیر، اس موضوع پر کام شروع کر دیا۔

ہمارے نبیؐ کی دنیا میں آمد کے بعد خواتین کی حیثیت اور مرتبہ میں کیسے اضافہ ہوا اور پھر آل رسولؐ کے یہاں خواتین کا کتنا بھرپور کردار، مکمل ضابطہ اخلاق و محبت کی فضا نظر آتی ہے۔ یہ خواتین مثالی خواتین تھیں جو پوری دنیا کی عورتوں کے لیے عملی مجسمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے جذبات و احساسات، جذبہ قربانی، صبر و استقامت اور پھر واقعہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کے مشن کو ساری دنیا میں روشناس کروانے کی ذمہ داری ان ہی خواتین کے نازک کاندھوں پر تھی اور انہوں نے اس ذمہ داری کو اتنے مکمل انداز سے پورا کیا کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود امام حسینؑ کو اور ان کی قربانیوں کو آج بھی خراج تحسین اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے یہ آج کا ہی واقعہ ہو۔

یہ مقالہ مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل: میر انیسؔ کی زندگی اور ان کے اہم واقعات کے علاوہ ان کے صحیح سن ولادت کا کھوج لگایا ان کی زندگی کے بعض واقعات پوری صحت کے ساتھ بیان کیے گئے ان کے مرثیوں کی اشاعت کا احوال اور ان کے شائع شدہ کلام کا احاطہ کیا ہے۔

باب دوم: ہمارا موضوع میر انیسؔ کے مراثی میں موجود خواتین کے کرداروں کا جائزہ لینا تھا لیکن برصغیر پاک و ہند تک جو روایات پہنچی ہیں ان کا تعلق عرب اور ایران کی خواتین سے ہے اس لیے پہلے عرب پھر ایران اس کے بعد ہند و معاشرت میں عورتوں کے کردار کا جائزہ لیا۔ اسلام آنے کے بعد مشرقی معاشرے میں خواتین کا احترام اور ان کے حقوق کے علاوہ انہوں نے اپنے آپ کو کس کس طرح منوایا اس کا جائزہ پیش کیا ہے تا کہ ان کا معاشرتی کردار نمایاں ہو سکے۔

باب سوم: میر انیسؔ کے حوالے سے واقعہ کربلا کی خواتین کا تعارف، منصب اور کارکردگی کی تفصیلات پیش کی گئی انیسؔ نے انہیں جس طرح ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا۔ اس کی مکمل طور پر وضاحت کی گئی ہے۔

باب چہارم: کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور آپ کے اقرباء انصار کی اس دنیائے فانی سے رخصت ایک بڑا سانحہ تھا اور اس کے بعد باقی ماندہ افراد کی نفسیاتی، جذباتی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی کو سہارا دینے اور بے سروسامانی میں صبر و استقامت کی مثالیں انہی خواتین نے پیش کیں ان کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لے کر اس باب میں رقم کیا۔

باب پنجم: میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں جو نسائی کردار پیش کیے ان کی تہذیبی اہمیت واقعہ کربلا سے پہلے بھی تھی اور واقعہ کربلا کے بعد بھی اس باب میں رشتوں کے رنگ، بچوں کی تربیت، حفظ مراتب ان سب کا احاطہ کیا اور واقعہ کربلا کے بعد نسائی کرداروں کے اوصاف اجاگر کیے گئے جو معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوئے۔

باب ششم: میر انیسؔ نے چونکہ معاشرتی، تہذیبی اور انسانی رشتوں کے مختلف زاویے بھی نسوانی کرداروں میں اجاگر کیے ہیں۔ اس لیے ان نسوانی کرداروں کے مکالمے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ میر انیسؔ کے نسوانی لہجے، ضرب الامثال اور محاورے جوان کرداروں نے اپنے تاثراتی اظہار کے لیے استعمال کیے۔ لسانی تہذیب کے تناظر میں ان کا تحقیقی جائزہ پیش کیا۔

باب ہفتم: گزشتہ چودہ سو سال کے دوران دنیا کی بیشتر زبانوں میں واقعہ کربلا اور اس کے کرداروں کے بارے میں تواتر سے لکھا گیا۔ میر انیسؔ سے قبل کے مرثیہ نگاروں نے اپنے مرثیوں میں کربلا کے نسائی کرداروں کو کس طرح پیش کیا۔ مرثیہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ مرثیے نے بھی ترقی کی اور نسائی کردار بھی زیادہ نظم کی گئے۔ اسی تناظر میں نتائج اخذ کیے گئے۔

باب ہشتم: میر انیسؔ کے مراثی میں خواتین کربلا کی شخصیات رسم ورواج، اور ذاتی کرداروں کو جس طرح پیش کیا اس کا گہرا اوسیع تر اثرات برصغیر کی سماجی زندگی پر مرتب ہوئے۔ چونکہ ہر عہد کی شاعری اپنے گردو پیش بنتی ہوئی سماجی اور سیاسی صورتحال کے پیش نظر کی جاتی ہے اس لیے آنے والے مرثیہ گو شعراء نے اپنے مراثی کی بنیاد انہی خطوط پر رکھی۔ اس لیے میر انیسؔ کے بعد آنے والے مرثیہ گویوں کے مرثیوں پر کیا اثر ہوا اس کا سرسری جائزہ اس باب میں پیش کیا گیا ہے۔

میں سب سے پہلے ڈاکٹر ضمیر اختر کی شکر گزار ہوں جنھوں نے مسلسل مجھے اس جانب متوجہ اور راغب کیا اس کے بعد اپنے بے حد عزیز محترم استاد سحر انصاری صاحب کی ممنون ہوں جنھوں نے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب سے متعارف بھی کروایا اور یہ ہدایت بھی دی کہ میں ان کے زیر نگرانی اپنا مقالہ تحریر کروں۔ اس مقالہ کا عنوان ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب نے ہی تجویز کیا اور اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود میری بھرپور رہنمائی فرمائی۔

ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کا کام کروانے کا ایک مختلف انداز ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے موضوع سے

متعلق کتب اور رسائل کا مواد جمع کرنے کو کہا اور ''اودھ اخبار'' کو دیکھنے اور معلومات جمع کرنے کے لیے میں سب سے پہلے ''سینٹرل لائبریری بہاولپور'' گئی، بہاولپور کے لیے اپنے ایک عزیز اور کالج کے ساتھ ڈاکٹر اسلم جعفری صاحب کی شکرگزار ہوں۔ جنھوں نے سفر کرنے، کتابیں جمع کرنے اور کئی مختلف لائبریریوں کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ اس مقالے کے لیے کراچی کی انجمن ترقی اردو، بیدل لائبریری غرض بے شمار لائبریریوں کے علاوہ خیر پور کی پبلک لائبریری اور شخصی لائبریریوں کا سفر کیا۔ ڈاکٹر ظفر اقبال جب مطمئن ہو جاتے تو پھر لکھنے کی جانب توجہ فرماتے۔ اس طرح متعدد سفر کرنے اور ہزارہا کتب دیکھنے کے مواقع میسر آئے، جس سے نگاہ علم اور ذہن میں مزید کشادگی پیدا ہوئی۔

میں ڈاکٹر ہلال نقوی کی بے حد شکرگزار ہوں جنھوں نے اس مقالہ کی تکمیل میں پہلے دن سے میرا ساتھ دیا۔ میں جو کتاب ان سے مانگتی تھی، وہ بلا جھجک مجھے عنایت فرماتے تھے۔ کتابوں کے سلسلے میں، میں اپنے ایک شاگرد اور بیٹے ارتضیٰ عباس نقوی کی بھی بہت ممنون ہوں، جن کے پاس رثائی ادب سے متعلق ایک وسیع خزانہ موجود ہے اس نے میری ہر طرح سے مدد کی، چاہے کتابیں ہوں، یا مرثیے، کبھی اس نے انکار نہیں کیا۔

میں سب سے زیادہ ممنون اپنی ماں کی ہوں جنھوں نے اس کام کے دوران گھر کے تمام کاموں سے نہ صرف بے نیاز کر دیا، بلکہ میرے بچوں پر بھرپور توجہ دی۔ اسی کے ساتھ اپنے شوہر اور بچوں کی ممنون ہوں جنھوں نے کہیں آنے جانے اور راتوں کو دیر تک پڑھنے پر پابندی عائد نہ کی، بلکہ میری صحت کا خیال رکھا اور کام مکمل کرنے کے لیے بیش از بیش تعاون کیا

پروین کاظمی

بابِ اوّل

حیات اور ادبی سرمایہ

باب اوّل

حیات اور ادبی سرمایہ

اردو ادب کے تمام بڑے بڑے نقاد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اردو کے چار عظیم شاعر ہیں۔ میر تقی میر، انیسؔ، غالب اور اقبال۔ انیسؔ کی شاعری عظیم ہے، ان کے موضوعات عظیم ہیں اور ان کا اسلوب بیان سب سے جدا ہے۔

پہلے ہم ان کے خاندان پر اک سرسری نظر ڈالتے ہیں:

''میر انیس اردو زبان کے نامور مرثیہ نگار کی حیثیت سے تاریخ ادب میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ وہ یقیناً فخر خاندان تھے لیکن یہ صرف ان کی انفرادی خصوصیت نہیں تھی بلکہ ان کا خاندان شعر و سخن اور علم و فضل کے جن مدارج پر فائز تھا وہ کئی پشتوں پر محیط ہے۔ میر انیسؔ کے مورث اعلیٰ میر امامی موسوی شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں ہرات سے دہلی آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔''[۱]

میر امامی کے بیٹے کا نام ہدایت اللہ تھا اس سلسلے میں اکبر حیدری کاشمیری نے اپنی کتاب ''میر انیس بعض نئی معلومات'' میں تحریر کیا ہے کہ:

''میر انیس کے دادا میر حسن نے اپنے اسلاف کا ذکر تذکرہ شعرائے اردو اور کلیات کے دیباچے میں کیا ہے۔ ان دونوں میں غلطی سے ان کے دادا کا نام میر برات اللہ رکھا گیا ہے۔ جو سہو کاتب ہے۔ اور اس غلطی کا ازالہ آج تک نہیں کیا گیا۔ دراصل ان کا اسم گرامی میر ہدایت اللہ تھا راقم کے پاس میر حسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا قدیم ترین تذکرہ شعرائے ہندی مکتوبہ ۱۱۸۸ء کا مخطوطہ ہے اس میں وہ اپنا نام میر محمد حسن لکھتے اور کہتے ہیں۔ ''اصل این فقیر ابن میر غلام حسین بن عزیز اللہ ابن

---

۱ واقعات انیس ، ص ، ۲۰

میر ہدایت اللہ بن میر امامی ہروی از ہرات است۔"[1]

اس مخطوطہ کو دیکھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ میر امامی کے بیٹے کا نام برات اللہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تھا۔ انکے بیٹے عزیز اللہ تھے۔ عزیز اللہ کے بیٹے میر غلام حسین ضاحک (صاحب دیوان) تھے جو میر و سودا کے ہم عصر تھے اور ہجو گوئی کی وجہ سے ان کا نام ہر دور میں قابل ذکر رہا ہے۔ ضاحک کے بیٹے میر حسن اور میر حسن کے بیٹے میر مستحسن خلیق تھے۔ میر حسن کی مثنوی ''سحرالبیان'' اردو کی مشہور ترین مثنویات میں شمار ہوتی ہے۔ میر مستحسن خلیقؔ نے بھی متعدد مرثیے لکھے ہیں۔ میر ببر علی انیس خلیق کے بیٹے تھے، اس طرح میر انیسؔ کا یہ دعویٰ حرف بہ حرف صحیح ہو جاتا ہے کہ:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اگر چہ میر انیسؔ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن ادبی تاریخ کی بدقسمتی ہے کہ انکی تاریخ پیدائش صحیح طور پر کہیں درج نہ کی گئی اختلاف رائے کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دبیر میں لکھا ہے کہ:

''میر انیس تقریباً ۱۲۲۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔''[2]

''حیات انیس کے مصنف حکیم امجد علی اشہری نے تاریخ پیدائش ۱۲۱۹ء یا اس کے قریب بتائی ہے۔''[3]

''واقعات انیس کے مصنف مہدی حسن نے ۱۲۱۶ ہجری درج کی ہے۔''[4]

---

[1] میر انیس بعض نئی معلومات

[2] موازنہ انیس و دبیر ، ص ، ۱۶

[3] حیات انیس ، ص ، ۱۹

[4] واقعات انیس ، ص ، ۶۲

مسعود حسن رضوی ادیب نے مقدمہ روح انیس میں ان کا سن پیدائش ۱۲۲۰ ہجری تحریر کیا ہے۔''[۱]

''پیمبران سخن کے مصنف شاد عظیم آبادی نے بھی میر انیس کا سن پیدائش ۱۲۱۶ء تحریر کیا ہے۔''[۲]

''مختصر تاریخ ادب اردو کے مصنف ڈاکٹر اعجاز حسین نے ۱۲۱۵ مطابق ۱۸۰۲ء تحریر کیا ہے۔''[۳]

''رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادب اردو میں لکھا ہے کہ میر انیس ۱۲۱۶ ہجری یا ۱۲۱۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔[۴]

''مولانا حامد حسن قادری نے مختصر تاریخ مرثیہ گوئی میں سال پیدائش ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۷ ہجری لکھا ہے۔''[۵]

''نظامی بدایونی نے مراثی انیس کے مقدمہ میں انیس کا سال پیدائش ۱۲۲۰ ہجری کے قریب بتایا ہے۔''[۶]

''زوار حسین زیدی نے شاعروں کا البم نامی کتاب میں ۱۲۱۶ ہجری انیس کا سال پیدائش بتایا ہے۔[۷]

مراثی میر انیس مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کے مرتب نائب حسین امروہوی نے لکھا ہے کہ:

''افسوس ہے کہ میر انیس کا سن ولادت آج تک ہم کو تحقق نہ ہوسکا اور علامہ شبلی جیسے محقق نے بھی ولادت کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا ہے کہ میر انیس تقریباً ۱۲۱۸ ہجری میں پیدا ہوئے لیکن اہل

---

[۱] مقدمہ روح انیس ، ص ، ۲۲

[۲] پیغمبران سخن ، ص ، ۱۸۲

[۳] مختصر تاریخ ادب اردو ، ص ، ۱۵۳

[۴] تاریخ ادب اردو ، ۲۷۰

[۵] مختصر تاریخ مرثیہ گوئی ، ص ، ۴۲

[۶] مقدمہ مراثی انیس ، ص ، ۶

[۷] اردو شاعری کا البم ، ص ، ۲۲

لکھنو اور خاندان انیسؔ کے لوگوں کی بالاتفاق یہ رائے ہے کہ آپ کی عمر بہتر سال ہوئی اور ایک آخری خط میں بھی میر انیسؔ نے خود حیدر آباد دکن سے اپنے بیٹے کو لکھا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد آپ کا انتقال بھی محقق ہے نیز مرزا دبیر کے تاریخ وفات کے اعداد سے اگر بہتر (۷۲) کم کر دیے جائیں تو سن ولادت ۱۲۱۹ھ ہی نکلتا ہے۔[۱]

ڈاکٹر نیر مسعود کو چونکہ اپنے علمی گھرانے اور ادبی خزانے کی بنا پر بہت سے ایسے شواہد تک رسائی حاصل ہے جو شاید دوسرے محققین کے حصے میں نہیں آ سکے، انہوں نے بزم انیس کے ابتدائی صفحات میں ''زندگی نامہ'' کے زیرِ عنوان میر انیسؔ کا نام سید ببر علی رضوی رکھا ہے۔ اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ میر انیسؔ کا تخلص پہلے حزیں تھا پھر شیخ ناسخ نے بدلوا کر انیسؔ تجویز کیا نیز نیر مسعود نے حتمی طور پر میر انیسؔ کی ولادت کے ذیل میں گلاب باڑی فیض آباد ۱۸۰۳ء تحریر کیا ہے۔[۲]

نیر مسعود نے اپنی بات کو معتبر بنانے کے لیے دو بہت اہم معتبر اور معاصر شہادتیں پیش کی ہیں:

۱۔ انیس ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۸۷ کو حیدر آباد پہنچے جہاں ان کی مہمانداری شریف العلماء سید شریف حسین خان کے ذمے تھی۔ تیسرے دن ۲۱ ذالحجہ کو شریف العلماء نے اپنے ساتھ انیس کی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا:

''جناب میر انیسؔ صاحب در سال ہفتادم ہستند۔''[۳]

۲۔ اس کے کوئی تین سال دس مہینے بعد لکھنو میں انیس کی وفات ہوئی۔ تو ان کے چھوٹے بھائی میر نواب مونس کے شاگرد سید محمد ذکی آلم نے قطعہ کہا اور اس میں انیسؔ کی تاریخ وفات ۲۹ شوال ۱۲۱۹ء بتانے کے علاوہ ذیل کے شعر میں وفات کے وقت ان کی عمر تہتر سال اور چند ماہ بتائی۔[۴]

---

[۱] مراثی انیس ، ص ، ۳۹

[۲] بزم انیس ، ص ، دو

[۳] میر انیس کا سفر دکن، مضمون

[۴] مرگ انیس، مضمون

سہ سال چند ماہ بہ ہفتاد شدفزوں
چوں آں رفیع مرثیہ و ذوالکرام رفت

لہٰذا اب تک کی تحقیق کی روشنی میں میر انیس کا سال ولادت ۱۸۰۳ء ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

میر انیس نے فیض آباد کے ایک محلے گلاب باڑی میں جنم لیا ان کے والد میر مستحسن خلیق اور والدہ ہینگا بیگم تھیں ان کے بھائیوں میں میر مہر علی انس اور میر نواب مونس باکمال مرثیہ نگار گزرے ہیں۔ بہنوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ پیاری بیگم ، ۲۔ بندی بیگم ، ۳۔ آبادی بیگم اور ۴۔ ہرمزی بیگم

میر انیس کے اساتذہ میں درسیات اور شعر وسخن کے حوالے سے چھ نام تذکرہ نگاروں نے تحریر کیے ہیں۔ حکیم میر کلو، مولوی میر نجف فیض آبادی، مولوی حیدر علی فیض آبادی، میر خلیق، شیخ ناسخ اور میر امیر علی ابن مہر کاظم سفید پوش دہلوی (فن سپہ گری)[۱]

میر انیس کی شادی تخمیناً ۱۸۲۲ء میں ہوئی، اہلیہ کا نام فاطمہ بیگم تھا جو میر احمد علی کی دختر تھیں۔ میر انیس کی اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں شامل ہیں۔ بیٹوں کے نام میر خورشید علی نفیس، میر عسکری رئیس، میر محمد سلیس تھے۔ بیٹیوں کے نام یہ ہیں عباسی بیگم، مہدی بیگم، آغائی بیگم۔[۲]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب ''میر انیس حیات اور شاعری'' میں ان کی تعلیم وتربیت کے بارے میں لکھا ہے:

''مکتبی تعلیم کے علاوہ اس زمانے کے رواج عام کے مطابق میر انیس کو فن سپہ گری، ورزش اور فن اسپ رانی کی بھی باقاعدہ تعلیم دی گئی تھی۔''[۳]

۱۔ یہ تمام واقعات بزم انیس مرتبہ ڈاکٹر نیر مسعود ص وو سے ح ح اور پیغمبران سخن ارشاد عظیم آبادی ماخوذ ہیں۔

۲۔ بزم انیس ، ص نمبر ص ، زز

۳۔ یہ تمام واقعات بزم انیس مرتبہ ڈاکٹر نیر مسعود ص وو سے ح ح اور پیغمبران سخن ارشاد عظیم آبادی ماخوذ ہیں۔

میر انیس لکھنو سے انتزاع سلطنت تک کبھی باہر نہیں نکلے۔ جب کبھی باہر جانے کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ: ''اس کلام کو اسی شہر کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں۔ اور کوئی اس کی قدر کیا کرے گا۔ اور ہماری زبان کا لطف اٹھائے گا، لیکن تباہی لکھنو کے بعد پہلی مرتبہ ۱۸۵۹ء میں اور پھر ۱۸۶۰ء میں نواب قاسم علی خاں کی طلب اور اصرار سے پٹنہ عظیم آباد تشریف لے گئے۔ واپسی میں بنارس میں بھی ایک مرتبہ ٹھہرے تھے۔ اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں مولوی سید شریف حسین خان کی تحریک اور نواب تہور جنگ بہادر کے سخت اصرار سے حیدر آباد دکن گئے اور لوٹتے ہوئے الہ آباد میں قیام کیا۔ ان سب مقامات پر اپنے معرکتہ الارا مرثیوں سے لوگوں کو مستفیض اور داخل حسنات کیا جس مجلس میں پڑھتے ، سامعین اس کثرت سے جمع ہو جاتے تھے کہ باوجود سخت انتظام اور پہروں کے بھی چپہ بھر زمین سننے والوں سے خالی نہ رہتی تھی۔ جب دوسرے شہروں کا یہ عالم تھا تو پھر خاص لکھنو کا کیا پوچھنا ہے جو قدردانی اور کمال کا سرچشمہ تھا۔''[۱]

اس بات کا تذکرہ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی کتاب ''یادگار انیس'' میں اس طرح کیا ہے کہ:

''جب انگریزوں نے ۱۸۵۶ء میں اودھ کی سلطنت کا خاتمہ کر کے لکھنو کو برباد کر دیا اور انیسؔ کا بنایا ہوا امام باڑہ اور ان کا گھر بھی اس آفت میں مسمار ہو گیا۔ قدرداں لٹ گئے، امراء اور رؤساء محتاج ہو گئے تو میر انیسؔ کو اپنی معاش برقرار رکھنے کے لیے عظیم آباد، بنارس، الہ آباد، کانپور اور حیدر آباد جانا پڑا۔ اس کا مثبت اثر یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں میر انیسؔ کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔''[۲]

لیکن میر انیسؔ فکر معاش میں نہیں بلکہ لوگوں کی قدردانی اور سخت اصرار کی وجہ سے گئے تھے۔ آخری عمر میں

---

۱ تاریخ ادب اردو ، ص نمبر ۳۲۴

۲ یادگار انیس ، ص نمبر ۳۹

میر انیسؔ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ مرثیہ پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی بیماریوں میں جگر کی خرابی اور بخار کی کیفیت تھی۔ آخر کار ان کے جگر پر ورم آ گیا اور پھر وہ بستر سے نہ اٹھ سکے۔ ایک سلام میں انہوں نے کہا تھا۔

جنازہ اٹھانا ہے احباب کو

مناسب ہے گر جسم لاغر رہے

جمعرات ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ (۱۰ دسمبر ۱۸۷۴) کو یہ عظیم شاعر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کو دس اور گیارہ دسمبر کی شب انہیں کے بنوائے ہوئے باغ کے ایک کمرے میں دفن کر دیا گیا۔ ان کے انتقال پر ان کے ہم عصر مرزا دبیر نے ایک قطعہ کہا جو درج ذیل ہے:

در سنین عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف

گرچہ طبعم بود مخزوں و مکدر بے انیسؔ

آسماں بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین

طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

۱۸۷۴ء (مرزا دبیر)

قطع

از سید محمد ذکی الم شاگرد میر مونس:

اے وائے شد خزاں چو بہار گل سخن — از باغ نظم بلبل رنگیں کلام رفت

می بود پنجشبہ و بست و نہم زعید — قبل از غروب پیش شہ خاص و عام ورفت

سہ سال و چند ماہ بہ ہفتاد شد فزوں — چوں آں رفیع رتبہ ذوالکرام رفت

ازدل آلم کشیدہ سر آہ زوندا

سوئے ارم انیسؔ امام انام رفت

مورخہ ۲۹ شوال پنجشبہ ۱۲۹۱ء

میر انیسؔ کے چہلم کی خبر ''اودھ اخبار'' کی ۵ فروری ۱۸۷۵ء سے ۲۷ ذی الحجہ بروز جمعہ اس طرح شائع ہوئی:

''حضرت انیس کا چہلم''

''اللہ اللہ افصح الفصحا، تاج الشعراء، سلطان الذاکرین جناب سید ببر علی صاحب انیس کا چہلم بھی ہوگیا۔ یہ مجلس قابل دید تھی علاوہ روسائے لکھنو کے ہزارہا آدمی شہر کے اور بیسیوں باہر شہر کے جلسہ تعزیت تھے۔ جس وقت میر خورشید علی صاحب نفیس فرزند اکبر حضرت انیس مغفور نے سر منبر مندرجہ زیل رباعی جناب مبرور کی پڑھی اس وقت گریہ و بکا کا شور عالم بالا تک پہنچتا تھا ہر شخص مصروف نالہ و بکا تھا۔''[1]

رباعی

دردا کہ فراق روح و تن میں ہو گا
تنہا تن ناتواں کفن میں ہو گا
اس وقت کریں گے یاد رونے والے
جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہو گا

میر انیسؔ کے مراثی کے حجم سے قطع نظر ان کے شاعرانہ محاسن کے بارے میں اصل قدر و قیمت ممکن ہے بقول ڈاکٹر فضل امام:

''انیس کے قبل اور ان کے بعد کسی بھی شاعر کو زبان اور لفظیات پر اتنی قدرت نہیں حاصل ہو سکی کہنے میں تو یہ آسان ہے کہ لفظوں، محاورات اور روز مرہ کو مناسب طور پر استعمال کرنے سے لطف،

---

[1] اخبار اودھ مطبوعہ ۵ فروری مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ ہجری بروز جمعہ جلد ۱۷

فصاحت اور حسن بلاغت بڑھ جاتا ہے لیکن ان کے الفاظ کے مناسب ترین محل پر رکھنا آسان نہیں اور جو شاعر اس نقطے سے آگاہ ہو جاتا ہے اس کا کلام حد کمال پر پہنچ جاتا ہے۔''[۱]

میر انیسؔ اس معیار سخن پر ہر طرح پورے اترتے ہیں۔ میر انیسؔ کے تمام ناقدین نے ان کے لسانی محاسن پر بطور خاص ستائشی کلمات تحریر کیے ہیں۔

میر انیسؔ کے مرثیوں میں اگر ایک طرف جذبات انسانی کی سچی عکاسی کی گئی ہے۔ تو دوسری طرف موقع محل کے مطابق ہر فرد کی نفسیاتی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے زبان کا پیرایہ بھی حسب حال منتخب کیا ہے۔ یہ لسانی شعور جس میں نفسیاتی عوامل بھی پوری طرح موجود ہوں۔ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر ہم میر انیسؔ کے مرثیے کے مختلف نکات پر توجہ دیں تو اہم زاویے اس طرح متعین ہوں گے۔

۱۔ نظام اخلاق کی پاسداری۔

۲۔ کرداروں کا منفرد اور متحرک ہونا۔

۳۔ تاریخی واقعات کو صحیح تناظر میں پیش کرنا۔

۴۔ عصمت خانوادہ رسول ﷺ کی مدحت اور یزیدی کردار کے منفی پہلو۔

یہ سب کچھ میر انیسؔ نے پوری جزیات کے ساتھ اپنے خاص اسلوب میں بیان کر دیئے ہیں۔

بقول ڈاکٹر مسیح الزماں:

''میر انیس نے اپنے کرداروں کی عملی زندگی کی ایسی تفصیل پیش کی ہے۔ ایسے زاویے ابھارے ہیں کہ ہم ان کی متحرک تصویریں دیکھ کر اپنے کو ان کے زیادہ قریب محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ قربت اس قسم کی نہیں جو ایک پجاری اپنے دیوتا کے سامنے پہنچ کر محسوس کرتا ہے۔ بلکہ اس میں انسانی زندگی کی گرمی اور سماجی یگانگت

---

[۱] انیس شخصیت اور فن ، ص نمبر ۲۹

کی ہلکی ہلکی لہریں موجود ہیں۔"[۱]

میر انیسؔ کے کلام میں اتنی ندرت اور تخلیقی قوت کے اتنے زاویے ملتے ہیں کہ اگر چہ انہوں نے مشرق یا مغرب کے کسی بڑے شاعر یا صنف شاعری کو سامنے رکھ کر مرثیے نہیں لکھے لیکن عالمی ادب کے شناوروں کو حالیؔ اور امداد اثر سے لے کر دور حاضر تک میر انیسؔ کے کلام میں ڈرامائی عناصر، ٹریجڈی کا الم ناک عنصر، رزمیہ کی فضیلت اور بڑی داستانوں کے بیانیہ کی مہارت نظر آجاتی ہے۔ یہ میر انیسؔ کا ایک ایسا منفرد کارنامہ ہے کہ جس کو مختلف زاویوں سے ارباب نقد و نظر پیش کرتے رہے ہیں۔

میر انیسؔ کے مراثی اصل ماحول اور مقامی رنگ کے مابین ایک امتزاجی کیفیت کو ابھارتے ہیں۔ میر انیسؔ کی مقامی رنگ آمیزی پر متعدد اعتراضات کیے گئے ہیں اور ان کے مدلل جوابات بھی دئے جا چکے ہیں ان مباحثہ کو دہرانے کا یہ محل نہیں۔

اکثر اوقات کربلا کے واقعے کو تاریخی تناظر میں بیان کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں کہ یہ ایک عظیم تاریخی واقعہ ہے۔ لیکن ارسطو کے دور سے آج تک صائب الرائے ناقدین یہ امر واضح کرتے آئے ہیں کہ تاریخ اور شاعری میں بہت فرق ہے۔ میر انیسؔ مورخ نہیں تھے۔ تاریخ کے صفحات میں واقعہ کربلا کو پڑھ کر ہم حقائق سے تو واقف ہو جاتے ہیں لیکن ہمارے قلب و ذہن پر وہ اثرات مرتب نہیں ہوتے جو کربلا سے متعلق مراثی کو پڑھ کر یا سن کر ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے جو لوگ انیسؔ سے تاریخ نگاری کی توقع رکھتے ہیں وہ دراصل اس طرح کا اعتراض کرتے ہیں جیسے کوئی مالی سے کہے کہ تم پودوں کو کیوں اتنی توجہ سے پروان چڑھاتے ہو۔ کمہار کی طرح برتن کیوں نہیں بناتے؟

---

[۱] اردو مرثیے کا ارتقا ، ص ، ۳۲۳

میر انیسؔ کے کلام کی اشاعتیں:

میر انیسؔ ایک پر گوشاعر تھے ان کے مرثیوں کی تعداد کا تعین ایک مشکل مرحلہ ہے۔ میر انیسؔ نے ابتدائی زندگی کے چند سال یقیناً غزل گوئی میں صرف کیے لیکن اکہتر (۷۱) برس کی بقیہ زندگی مرثیہ گوئی میں صرف کی۔
محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں تحریر فرمایا ہے:

''میر صاحب مرحوم نے کم سے کم دس ہزار مرثیہ ضرور کہا ہوگا اور سلاموں کا تو کیا شمار ہے، رباعیاں تو باتیں تھیں۔''[۱]

تاریخ ادب اردو میں رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

''میر صاحب نے ہزار ہا مرثیے، سلام، قطعات، رباعیاں لکھی ہیں، افسوس کہ ان کا پورا کلام اب تک شائع نہیں ہوا مگر جس قدر چھپ چکا ہے مشہور ہے کہ انہوں نے ڈھائی لاکھ شعر کہے تھے۔''[۲]

بزمِ انیس میں نیر مسعود لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ نے دوسو مرثیے، سوا سو کے قریب سلام، کوئی چھ سو رباعیات، چند منقبتیں، نوحے اور فارسی میں بعض قطعات لکھے ہیں۔''[۳]

اردو ادب کی مختصر تاریخ جو آغاز سے ۲۰۰۰ء تک پر محیط ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''جہاں تک انیسؔ کے مرثیوں کی تعداد کا تعلق ہے تو ضمیر اختر نقوی کے بموجب ۱۷۶ مرثیے بنتی ہے جن کے کل ۱۸۷۷۵ بند اور ۱۵۲۲۳۲ اشعار بنتے ہیں۔''[۴]

---

۱ آبِ حیات ، ص نمبر ۶۳۲

۲ تاریخ ادب اردو ، ص نمبر ۲۴۳

۳ بزمِ انیس ، ص نمبر ک ک

۴ اردو ادب کی مختصر تاریخ آغاز سے ۲۰۰۰ء تک ، ص نمبر ۳۶۷

احسن لکھنوی مولف ''واقعات انیس'' نے بھی اس مسئلے پر اپنی رائے دی ہے۔ اور آزاد کی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انیسؔ کا غیر مطبوعہ کلام بھی خاصی تعداد میں موجود ہے۔

میر انیسؔ کے مرثیوں کی طباعت اس وقت کے مشہور اشاعت گھروں سے ہوئی جن میں سب سے اہم مطبع نول کشور تھا اس کی رو سے میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری چار جلدوں پر مشتمل نظر آتی ہے لیکن اس وقت کے رسم و رواج کو ذہن میں رکھا جائے اور بعد کے شواہد پیش نگاہ ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ میر انیسؔ کا خاصہ کلام یا تو خاندانی بستوں میں محفوظ ہوا، یا مختلف قلمی بیاضوں میں اس ضمن میں کئی انکشافات تسلسل کے ساتھ ہوتے رہے ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری، برٹش میوزیم کتب خانہ راجہ محمود آباد صاحب، کتب خانہ نواب سالار جنگ میں میر انیسؔ کے مرثیوں کے متعدد خطی نسخے موجود ہیں اور اندازہ ہے کہ بیشتر کلام غیر مطبوعہ ہے لیکن اب ہمیں جو بھی رائے قائم کرنی ہے وہ ان کے مطبوعہ کلام سے رجوع کرنے پر ممکن ہوگی اس اعتبار سے آزاد کی رائے مستند معلوم نہیں ہوتی۔

اودھ اخبار میں میر انیسؔ کی مراثی پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

''یہ مجموعہ تازہ کنندہ غم و الم، افزائیدہ رنج و ماتم، ذخیرہ شیون وشین مصائب ابی عبداللہ الحسین ہے۔ تمام کوائف و حالات شہدائے کربلا، مبتلائے رنج و بلا کے ایسے بیان پر سوز و گداز سے مراثی و سلام اور رباعیات ہیں کہ جس کے سننے سے اہلِ مجلس کو سینہ کوبی سے غش آتا ہے۔ ایک دریا اشک کا آنکھوں سے بہہ جاتا ہے۔ مصنف اس کے نامی گرامی مشہور کافہ انام ممدوح خاص و عام بلاغت ان کی ہمدم، فصاحت ان کی جلیس میر ببر علی مرحوم متخلص انیسؔ ہیں۔ ان کے کلام بلاغت نظام میں وہ تاثیر ہے کہ اگر سنگ خدا کے گوش من صدا پہنچے تو اس کا بھی جگر پارہ پارہ ہو جاوے، نرالا انداز نیا عنوان ہے جس کا مداح سارا جہان ہے آج تک فن مرثیہ گوئی میں ایسا نازک خیال، شیریں مقال، عدیم المثال با کمال پیدا نہیں ہوا۔''[۱]

۱؎ اودھ اخبار ، ۱۹ دسمبر ۱۸۷۹ء مطابق ۵ محرم الحرام ۱۲۹۷ھ

مراثی میر انیسؔ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(حصّہ اوّل)

اوّلین اشاعتیں:

''میر انیسؔ کے مراثی کی با قاعدہ جلدیں پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار موسوم بہ مطبع نول کشور میں ۱۸۷۶ء مطابق ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ میں چھپنا شروع ہوئیں۔ چنانچہ پہلی جلد میر انیسؔ کے انتقال کے ایک سال گیارہ ماہ کے بعد چھپ گئی۔ جلد اوّل میں ۴۲۸ صفحات ہیں صفحہ ۴۲۷ میں سید تصدق حسین رضوی کی تقریظ درج ہے۔ چاروں جلدیں انہی کی نگرانی میں ۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۷ھ اور ۱۸۸۲ء مطابق ۱۲۹۹ھ تک کئی مرتبہ چھپی تھیں۔ اس وقت راقم کے پیش نظر جلد اوّل کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ستمبر ۱۸۸۲ء مطابق ماہ ذی قعدہ ۱۲۹۹ھ میں چھپا تھا۔ اس کی تقریظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں جلدیں ۱۸۸۰ء سے قبل چھپی تھیں۔''[۱]

''حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے میر انیسؔ کے مرثیے ان کی زندگی میں ۱۲۶۸ء میں مطبع اسلامی بمبئی سے چھپنا شروع ہوئے تھے۔ اس کا ایک نسخہ جناب رشیدہ صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس مجموعے میں میر ضمیر اور مرزا فصیح کے علاوہ انیسؔ کے مرثیے بھی شائع ہوئے تھے۔''[۲]

مطبع اسلامی کے علاوہ میر انیسؔ کے مرثیے ان کی زندگی میں مطبع مخدومی بمبئی میں بھی چھپے تھے۔ مطبع اودھ اخبار میں ۱۸۷۶ء میں با قاعدہ طور پر میر اثی انیسؔ چھپنے کی داغ بیل پڑی ایک مجموعہ گلبرگہ حیدر آباد سے ''ذخیرہ ثواب کے نام سے ۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۶ھ میں چھپا تھا۔ شبلی نے بھی اس کا ذکر ''موازنہ انیس و دبیر'' میں کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کتاب کا نام نہیں بتایا ہے یہ کتاب نایاب ہے۔ راقم کو اس کا ایک نسخہ کتب خانہ ندوۃ العلوم

۱؎ نقوش ، ص ، ۱۴

۲؎ نقوش ، ص ، ۱۵

لکھنو میں دستیاب ہوا۔ اس میں کل سات مرثیے ہیں۔ تین میر خلیق کے، دو مونس کے اور دو انیسؔ کے نام درج ہیں راقم کو تحقیق ہے کہ پہلا مرثیہ میر نفیسؔ کا تیسرا مونسؔ کا اور بقیہ پانچ میر انیسؔ کے ہیں، خلیقؔ کا کوئی نہیں، مرثیوں کا یہ انتخاب میر غلام علی فیض آبادی نے کیا تھا۔ جسے حسب فرمائش سید اسد اللہ عرف میر نواب باہتمام سید سجاد حسین مطبع دار الصنائع گلبرگہ میں شائع کیا گیا۔

مرثیوں کی تفصیل یہ ہے:

نمبر شمار	مرثیے	بند کی تعداد
۱۔	اے شمع دو دمان تجلی ضیاء دکھا	۹۱
۲۔	روح سخن ثنائے حسین شہید ہے	۱۲۴
۳۔	جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھلا	۱۱۶
۵۔	فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے	۹۶
۶۔	شیریں سخنی ختم ہے ہمشکل نبی ﷺ پر	۷۷
۷۔	جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا	۱۱۹
۸۔	جب حر کو ملا خلعت پرخون شہادت	۱۰۲

اس کے علاوہ کتاب میں خلیقؔ، انیسؔ، مونسؔ اور نفیسؔ کے ۱۴، سلام درج ہیں مجموعہ مراثی میں راقم نے اس سے زیادہ غیر معتبر کتاب کوئی نہیں دیکھی جیسے کہ ''ذخیرہ ثواب'' ہے۔''[۱]

''۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں مرزا محمد مہدی لکھنوی نے میر نفیس کے اہتمام سے مراثی انیسؔ جلد پنجم ''مرثیہ ہائے میر انیسؔ مرحوم'' کے نام سے مطبع جعفری سے پہلی مرتبہ شائع کی اس میں کل ۲۱ مرثیے ہیں اور ان میں اکثر و بیشتر مرثیے وہ ہیں جو مطبوعہ نول کشور کی جلدوں میں نہیں ہیں

---

۱ نقوش انیس نمبر

کتاب ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے آخری صفحہ میں میر نفیسؔ کا ہبہ نامہ حق تصنیف سے متعلق مرزا محمد مہدی کے نام درج ہے۔‘‘[۱]

’’جلد پنجم مطبع جعفری نایاب ہے۔ اس کتاب کے چار سال بعد ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں سید اطہر جونپوری نے حسب فرمائش سید محمد مصطفیٰ حسن جونپوری ’’شجرہ غم‘‘ کے عنوان سے ۲۹۴ صفحات پر مشتمل ۵۶ مرثیوں کا انتخاب سوزخوانی کے لیے شائع کیا۔ اس میں بیشتر مرثیے میر انیسؔ کے ہیں۔‘‘[۲]

’’سید عبدالحسین تاجر کتب لکھنو نے ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مراثی انیسؔ کی دو جلدیں جلد پنجم (قدیم) اور جلد ششم (قدیم) مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ میں شائع کیں۔ جلد پنجم (قدیم) میں ۲۰ اور جلد ششم (قدیم) میں ۳۳ مرثیے ہیں۔‘‘[۳]

’’جلد پنجم (قدیم) اور جلد ششم (قدیم) دوسری مرتبہ ’’مرثیہ ہائے میر انیس صاحب مرحوم‘‘ کے نام سے بفرمائش جناب سید عبدالحسین صاحب تاجر کتب لکھنو محلّہ درگاہ سردار باغ باہتمام عابد علی خان مطبع شاہین لکھنو میں اکتوبر ۱۹۰۹ء اور جون ۱۹۱۴ء میں بالترتیب شائع ہوئیں یہ دونوں جلدیں ’’جدید پنجم اور جدید ششم‘‘ کہلاتی ہیں۔ جدید پنجم میں ۱۸ مرثیے ہیں جب کہ جدید جلد ششم میں ۳۹ مراثی ہیں اور ۲۸ سلام ہیں۔ جدید پنجم اور جلد ششم جدید بک لینڈ کراچی نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیں۔‘‘[۴]

---

۱ نقوش انیس نمبر

۲ ایضاً " ص ، ۱۶

۳ " " ص ، ۱۶، ۱۷

۴ باقیات انیس

(حصّہ دوم)

مکمل مراثی:

سب سے پہلے مکمل طور پر مراثی میر انیسؔ منشی نول کشور واقع لکھنو نے طبع کروائے یہ مراثی ۴ جلدوں پر مشتمل ہیں جلد اوّل ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی ہے جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوئی ہے:

''نامی و مرثیہ گویان گرامی از کلام فصاحت انضمام سرآمد شاعران المتخلص انیسؔ لکھنو مغفور''

(مرثیہ میر انیسؔ جلد اوّل)

جلد اوّل میں ۲۹، مراثی شامل ہیں جن کا ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جا رہا ہے:

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیاں
۱۔	یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر	۱۸۲	۔	۔	۱
۲۔	مسجد میں قتل جب شہ خیبر شکن ہوا	۶۳	۔	۔	۲
۳۔	فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے	۱۱۴	۔	۔	۵
۴۔	کعبہ سے کیا جب کہ سفر قبلہ دیں نے	۹۸	۔	۔	۲
۵۔	ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں	۱۲۵	۔	۔	۲
۶۔	جب دشت مصیبت میں علی کا پسر آیا	۱۷۳	۔	۔	۴
۷۔	سبط نبی ﷺ سے منزل مقصد قریب ہے	۵۳	۔	۔	۴
۸۔	طے کر چکے حسین جو راہ ثواب کو	۱۵۲	۔	۔	۴
۹۔	کیا فوج حسینی کے جوانان حسیں تھے	۱۱۷	۔	۔	۷
۱۰۔	بخدا فارس میدان تہور تھا حُر	۱۴۲	۔	۔	۱
۱۱۔	طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح	۱۳۵	۔	۔	۲

مرثیہ انیسؔ (جلد دوم) :

اس جلد کی ابتداء مندرجہ ذیل کلمات سے ہوتی ہے۔

''از کلام ندرت انضمام سرآمد مرثیہ گویان نامی وذاکران گرامی میر ببر علی صاحب متخلص بہ انیس لکھنوی''

مطبع نامی منشی نول کشور واقع کانپور میں مزین بہ طبع ہوا۔

اس جلد میں ۲۷، مراثی شامل ہیں ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جارہا ہے:

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیات
۱۔	فخر ملک و اشرف آدم ہے محمدﷺ	۹۵	-	-	۱
۲۔	عرش خدا مقام جناب امیر ہے	۱۵۰	۱	۳	۱
۳۔	شیر خدا کے وصف کہانتک رقم کروں	۵۷	۱	۲	۱
۴۔	خورشید حقیقت رخ زیبائے علیؑ ہے	۱۲۶	-	-	-
۵۔	مہر سپر عز و شرافت ہے فاطمہؑ	۸۷	-	-	۱
۶۔	جسدم یزید شام میں مسند نشیں ہوا	۵۹	۱	۱	۱
۷۔	جب کوفیوں نے کوفہ میں مسلم سے دغا کی	۸۴	-	-	-
۸۔	کنعان محمدﷺ کے حسینوں کا سفر ہے	۱۸۱	۱	۳	-
۹۔	جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوف حرم کی	۲۴۷	۱	-	۲
۱۰۔	جب طے کیا شہہ نے سفر راہ خدا کو	۹۰	-	-	-
۱۱۔	جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا	۲۴۵	۱	-	۱
۱۲۔	مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی	۱۰۴	-	-	۴
۱۳۔	جب رات عبادت میں بسر کی شہ دیں نے	۱۴۳	-	-	۱

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیات
۱۴۔	ہے شور آمد آمد حر فوج شاہ میں	۱۳۷	۱	۲	۱
۱۵۔	جب آفتاب تاج سر آسماں ہوا	۹۲	۱	ـ	ـ
۱۶۔	جب حر کو ملا خلعت پر خون شہادت	۱۷۵	ـ	ـ	۵
۱۷۔	جب ہوئے عازم گلگشت شہادت قاسم	۵۲	ـ	ـ	۲
۱۸۔	پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح	۱۵۷	۱	ـ	۱
۱۹۔	جب زمیں سر بلند علیؑ کا علم ہوا	۱٦۲	ـ	ـ	ـ
۲۰۔	جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر	۱۴۷	۱	ـ	۱
۲۱۔	عباس علی شیر نیستان نجف ہے	۵۴، (اس میں تخلص نہیں ہے)	ـ	ـ	ـ
۲۲۔	عباس علی قبلہ ارباب وفا ہے	۱۱۲	۱		۴
۲۳۔	جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا	۲۲۰	۱		۲
۲۴۔	دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	۳۷	۱	۳	ـ
۲۵۔	کیا بحر ہے وہ بحر کنارہ نہیں جس کا	۱۲۱	ـ	ـ	۵
۲٦۔	جب زمیں آمد آمد سلطان دیں ہوئی	۷۸	۱	۴	۱
۲۷۔	جب آخری رخصت کو حسین آئے حرم سے	۱۰٦	ـ	ـ	۲

مرثیہ میر انیس (جلد سوئم):

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیات
۱۔	جب منزل مقصد پہ امام زمن آئے	۱۱۱	ـ	ـ	۳
۲۔	ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہ دیں پر	۱۱۲	۱	ـ	۱

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیات
۳۔	پھاڑا جو گریبان شب آفت کی سحر نے	۱۱۴	۱	۲	۱
۴۔	کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہراؑ	۹۶	۱	۲	۳
۵۔	غل ہے اعدا میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں	۸۵	۔	۔	۵
۶۔	دشتِ جنگاہ میں زینب کے جو پیارے آئے	۴۳	۱	۔	۔
۷۔	غل آمد عباس کا ہے فوج ستم میں	۱۰۶	۔	۔	۔
۸۔	دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر	۱۸۰	۔	۔	۔
۹۔	اے مومنو مرنے کے لیے جاتے ہیں اکبر	۴۲	۱	۔	۲
۱۰۔	مومنو مرنے کو ہمشکل نبیﷺ جاتا ہے	۸۰	۱	۔	۱
۱۱۔	جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا	۱۹۰	۱	۔	۱
۱۲۔	جب فوج خدا قتل ہوئی راہ خدا میں	۱۰۶	۔	۔	۲
۱۳۔	رطب اللساں ہوں مداح شہ خاص و عام میں	۱۶۲	۔	۔	۔
۱۴۔	یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو	۱۵۱	۱	۔	۲
۱۵۔	مومنو خانہ زہراؑ پہ تباہی ہے آج	۴۰	۱	۲	۵
۱۶۔	جب رو چکے حضرت علی اکبر سے پسر کو	۹۴	۱	۔	۶
۱۷۔	جب خیمے میں رخصت کو شہ نجر و بر آئے	۶۰	۱	۔	۵
۱۸۔	آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے	۵۵	۱	۲	۳
۱۹۔	روئے سخن ثنائے حسین شہید ہے	۱۲۶	۔	۔	۔

مرثیہ میر انیسؔ (جلد چہارم):

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیات
۱۔	کیا عشق تھا شبیر سے محبوب خدا کو	۹۳	۔	۔	۳
۲۔	ہے زیور عروس سخن پنجتن کی مدح	۱۱۰	۱	۔	۱۰
۳۔	حضرت سے جب برادر خوشخو جدا ہوا	۱۱۵	۱	۔	۲
۴۔	ہمصورت محبوب خدا تھے علی اکبر	۴۰	۱	۔	۸
۵۔	جب دولت سرور پہ زوال آگیا رن میں	۱۲۴	۔	۔	۲
۶۔	جب جانثار سبط پیمبر ہوئے شہید	۷۷	۱	۱	۸
۷۔	اے شمع قلم روشنی طور دکھا دے	۱۲۶	۔	۔	۔
۸۔	جب آمد سردار دو عالم ہوئی رن میں	۹۶	۱	۔	۳
۹۔	نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے	۱۳۲	۱	۲	۳
۱۰	جب باغ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں	۷۰	۔	۔	۲
۱۱۔	جب تیغ ید الہٰ کھنچی دشت و غا میں	۹۸	۔	۔	۱
۱۲۔	جب جنگ کو میداں میں شہ تشنہ لب آیا	۷۰	۔	۔	۲
۱۳۔	جب قطع ہوئے نخل گلستان علی کے	۱۲۴	۔	۔	۱
۱۴۔	شمشاد بوستان رسالت حسینؑ ہے	۱۵۰	۔	۱	۴
۱۵۔	برہم ہے مرقع چمنستان جہاں کا	۹۷	۱	۲	۱
۱۶۔	لہو سے لال جو رن میں علی کا لال ہوا	۴۳	۱	۔	۵
۱۷۔	جب تیغ کیں حسینؑ کی گردن پہ چل چکی	۶۰	۔	۔	۶
۱۸۔	میداں میں ہوا خاتمہ جب آل عبا کا	۶۲	۔	۔	۷

نمبر شمار	مرثیے	بند	سلام	قطعات	رباعیات
۱۹۔	اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر	۸۸	۔	۔	۱
۲۰۔	جب کہ خاموش ہوئی شمع امامت رن میں	۳۸	۔	۔	۱۰
۲۱۔	جب خیمہ فرزند پیمبر ہوا تاراج	۵۰	۔	۔	۱
۲۲۔	جب غرق بحر خوں ہوئی کشتی نجات کی	۵۸	۔	۔	۸
۲۳۔	کوفے میں جب حرم حضرت شبیر آئے	۵۴	۔	۔	۔
۲۴۔	دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے	۴۷	۔	۔	۶
۲۵۔	آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے	۴۰	۔	۔	۸
۲۶۔	آفت میں گرفتار ہیں ناموس محمدﷺ	۳۶	۔	۔	۔
۲۷۔	جب شام کے زنداں میں ہوئی شام حرم کو	۵۸	۔	۔	۱
۲۸۔	جب سنی ہند کے آنے کی خبر زینب نے	۶۹	۔	۔	۱
۲۹۔	جب قیدیوں کو خانہ زنداں میں شب ہوئی	۱۶۴	۔	۔	۱۰
۳۰۔	دن گزرے بہت قید میں جب اہلِ حرم کو	۵۶	۔	۔	۔
۳۱۔	دربار سے زنداں میں طلب ہوتے ہیں قیدی	۳۶	۔	۔	۔
۳۲	جینے سے غم شاہ میں بیزار تھی صغرا	۴۷	۔	۔	۴

مراثی میر انیسؔ (جلد اوّل):

میر انیسؔ کے یہ مرثیے شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیے ہیں۔ ان کا مقدمہ احتشام حسین نے لکھا ہے اور ترتیب نائب حسین نقوی امروہوی کی ہے۔ اس جلد میں ۲۹ مراثی، ۳۵ رباعیات اور ۳ سلام بھی شامل ہیں۔ ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جارہا ہے۔

بند	مرثیے	نمبر شمار
۱۸۲	یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر	۱۔
۱۵۳	طے کر چکے حسین جو راہ ثواب کو	۲۔
۱۱۳	پھاڑا جو گریبان شب آفت کی سحر نے	۳۔
۱۱۷	کیا فوج حسینی کے جوانان حسیں تھے	۴۔
۱۰۳	جب لاشہ قاسم کو علمدار نے دیکھا	۵۔
۱۵۰	آمد ہے جگر بند قلعہ شکن کی	۶۔
۱۳۲	یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے	۷۔
۲۲۰	جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا	۸۔
۱۷۳	جب غازیان فوج خدا نام کر گئے	۹۔
۱۸۰	دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر	۱۰۔
۳۷	دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	۱۱۔
۱۳۲	نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے	۱۲۔
۶۲	میداں میں ہوا خاتمہ جب آل عبا کا	۱۳۔
۹۲	دشت وغا میں نور ظہور خدا کا ہے	۱۴۔
۹۲	جب آفتاب تاج سر آسماں ہوا	۱۵۔
۸۴	جب کوفیوں نے کوفے میں مسلم سے دغا کی	۱۶۔
۵۰	جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا	۱۷۔
۱۶۱	آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے	۱۸۔
۱۱۰	ہے زیور عروس سخن پنجتن کی مدح	۱۹۔

نمبر شمار	مرثیے	بند
۲۰۔	کیا عشق تھا شبیر سے محبوبﷺ خدا کو	۹۳
۲۱۔	کوفے میں جب حرم حضرت شبیر آئے	۵۴
۲۲۔	جب سنی ہند کے آنے کی خبر زینب نے	۶۹
۲۳۔	دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے	۴۷
۲۴۔	فخر ملک و اشرف آدم ہے محمدﷺ	۹۵
۲۵۔	مہر شبیر عزو شرافت ہے فاطمہؑ	۸۷
۲۶۔	جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاہ کا	۱۷۲
۲۷۔	کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا	۱۸۲
۲۸۔	نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری	۱۰۳
۲۹۔	دوزخ سے جو آزاد کیا حُر کو خدا نے	۱۶۰

مراثی میر انیسؔ (جلد دوم):

اس جلد میں ۳۰ مراثی، ۲۵ رباعیات اور ۳ سلام شامل ہیں ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جارہا ہے:

نمبر شمار	مرثیے	بند
۱۔	عرش خدا مقام جناب امیر ہے	۱۵۰
۲۔	فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے	۱۱۴
۳۔	جب شاہ کو فرصت نہ ملی طوف حرم کی	۲۴۷
۴۔	جب دشت مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا	۱۷۳
۵۔	بخدا فارس میدان تہور تھا حُر	۱۴۲
۶۔	زینب نے سنی جب یہ خبر شاہ امم سے	۱۰۵

نمبر شمار	مرثیے	بند
۲۶۔	آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے	۴۰
۲۷۔	جب شام کے زنداں میں ہوئی شام حرم کو	۵۷
۲۸۔	جینے سے غم شاہ میں بیزار تھی صغرا	۴۷
۲۹۔	جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا	۱۹۰
۳۰۔	رطب اللساں ہوں مدح شہہ خاص و عام میں	۱۶۱

مراثی میر انیسؔ (جلد سوئم):

اس جلد میں ۳۰ مراثی، ۳۴ رباعیات اور ۸ سلام شامل ہیں۔ ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جا رہا ہے:

نمبر شمار	مرثیے	بند
۱۔	کعبہ سے کیا جب کہ سفر قبلہ دیں نے	۹۷
۲۔	جب منزل مقصد پہ امام زمن آئے	۱۱۲
۳۔	پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح	۱۲۴
۴۔	جب حُر کو ملا خلعت پر خون شہادت	۱۷۵
۵۔	طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح	۱۳۵
۶۔	غل ہے اعدا میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں	۸۵
۷۔	جب حضرت زینب کے پسر مر گئے دونوں	۱۴۲
۸۔	عباس علی شیر نیستان نجف ہیں	۵۹
۹۔	عباس علی یوسف کنعاں علیؑ ہے	۱۷۱
۱۱۔	یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو	۱۳۱
۱۲۔	شیریں سخنی ختم تھی ہم شکل نبیﷺ پر	۱۰۲

مراثی میر انیسؔ (جلد چہارم):

اس جلد میں ۲۸ مراثی، ۲۲ رباعیات اور ۲ سلام شامل ہیں۔ ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جارہا ہے۔

نمبر شمار	مرثیے	بند
۱۔	کنعان محمد ﷺ کا حسینوں کا سفر ہے	۱۸۱
۲۔	سبطِ نبی ﷺ سے منزل مقصد قریب ہے	۵۳
۳۔	جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا	۲۴۵
۴۔	رن میں جس دم حُر ذی شاہ نے شہادت پائی	۱۴۰
۵۔	ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں	۱۲۵
۶۔	ہے شور آمد آمد حُر فوج شاہ میں	۱۳۶
۷۔	کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہراؑ	۹۶
۸۔	غل آمد عباس کا ہے فوج ستم میں	۱۰۶
۹۔	عباس علی گوہر دریائے شرف ہے	۹۴
۱۰۔	جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر	۱۴۷
۱۱۔	جب بادبان کشتی شاہ امم گرا	۱۴۹
۱۲۔	حضرت سے جب برادر خوشخو جدا ہوا	۱۱۵
۱۳۔	جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے	۶۶
۱۴۔	جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے	۱۹۷
۱۵۔	جب رن میں حسینؑ اصغر بے شیر کو لائے	۷۹
۱۶۔	مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی	۱۰۴
۱۷۔	جب رات عبادت میں بسر کی شہ دیں نے	۱۴۳
۱۸۔	جب آخری رخصت کو حسین آئے حرم میں	۱۰۶

نمبر شمار	مرثیے	بند
۱۹۔	جب رو چکے حضرت علی اکبر سے پسر کو	۹۴
۲۰۔	روئے سخن ثنائے حسینؑ شہید ہے	۱۲۶
۲۱۔	جب جانثار سبط پیمبر ہوئے شہید	۷۷
۲۲۔	جب باغ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں	۷۰
۲۳۔	جب کہ خاموش ہوئی شمع امامت رن میں	۳۸
۲۴۔	جب تیغ کیں حسین کی گردن پہ چل چکی	۶۰
۲۵۔	اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر	۸۸
۲۶۔	جب قیدیوں کو خانہ زنداں میں شب ہوئی	۶۲
۲۷۔	دربار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی	۳۶
۲۸۔	خورشید حقیقت رُخ دنیائے علی ہے	۱۲۶

مراثی میر انیسؔ (جلد پنجم):

جلد پنجم کا مقدمہ سید مسعود حسن رضوی ادیب نے تحریر کیا ہے اور اس میں ۱۸ مراثی، ۲۱ رباعیات، ۲ سلام، اور ۱۰ نوحے بھی شامل ہیں:

اس کی ترتیب مرزا احمد عباس نے کی ہے۔ پہلا سلام میر انیسؔ کا ہے اور دوسرا خمسہ سلام میر سلیس صاحب کا ہے۔ ایک ایک مصرعہ تحریر کیا جارہا ہے۔

نمبر شمار	مرثیے	بند
۱۔	واللہ عجب شان شہنشاہ رسل ہے	۱۲۱
۲۔	خادم ہے جبرائیل امیں کس جناب کے	۱۱۷
۳۔	جب حُر جری فوج بد انجام سے نکلا	۱۵۸

بند کی تعداد	مرثیے	نمبر شمار
۱۷۷	جب صبح شب قتل نمایاں ہوئی رن میں	۴۔
۱۶۲	سب سے جدا روش مرے باغ سخن کی ہے	۵۔
۲۰۱	عباس نامدار کی آمد کا شور ہے	۶۔
۱۴۸	اے آفتاب ذہن رسا جلوہ گر ہو آج	۷۔
۹۸	غل آمد اکبر کا ہے میدان و غا میں	۸۔
۱۳۴	اے رخش کلک رزم کا میداں دکھا مجھے	۹۔
۳۵	زخمی ہوئے جب رن میں جناب علی اکبر	۱۰۔
۴۱	جب کھا کے سناں خوں میں ہوئے تر علی اکبر	۱۱۔
۷۵	کیا عقدہ کشا خلق میں نام شہہ دیں ہے	۱۲۔
۱۲۲	پامال جب سحر نے کیا سبزہ زار شب	۱۳۔
۱۲۸	کیوں زلزلے میں آج زمیں کربلا کی ہے	۱۴۔
۳۸	جب قتل ہوا ظہر تک اسلام کا لشکر	۱۵۔
۷۶	جب لوٹ لیا باغ پیمبر کو خزاں نے	۱۶۔
۳۳	دفتر دیں ہوا جب درہم و برہم رن میں	۱۷۔
۴۶	پہنچی یہ خبر خیمے میں جب شہہ کی بہن کو	۱۸۔

مراثی میر انیسؔ (جلد ششم):

اس جلد میں ۲۹ مراثی، ۲۸ سلام اور ۱۵ رباعیات شامل ہیں۔

بند	مرثیے	نمبر شمار
۱۳۳	بلبل ہوں بوستان شہہ تاجدار کا	۱۔

نمبر شمار	مرثیے	بند کی تعداد
۲۔	جب صبح شب عقد چراغ حسن آئی	۹۸
۳۔	شور ہے رن میں کہ حیدر کا نشان آتا ہے	۱۶۴
۴۔	آیا زوال رن میں جو مہر منیر پر	۹۲
۵۔	غش ہو گئے جب پیاس کے مارے علی اصغر	۴۱
۶۔	پا چکے شہہ سے جو مرنے کی اجازت عباس	۴۸
۷۔	رن میں جب جنگ کو عباس علی آ پہنچا	۷۱
۸۔	عباس کے جو نہر پہ شانے قلم ہوئے	۳۵
۹۔	یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو	۱۲۹
۱۰۔	جس دم حسین دلبر شبر کو رو چکے	۱۳۵
۱۱۔	غل ہے میداں میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں	۱۱۱
۱۲۔	دشمن کو بھی دنیا میں نہ اولاد کا غم ہو	۶۶
۱۳۔	اے مومنو اولاد کا مرنا بھی ستم ہے	۱۱۹
۱۴۔	قتل جب رن میں ہوئے مونس و غمخوار حسین	۴۳
۱۵۔	جب فوج مخالف میں ہوئے گم علی اکبر	۳۰
۱۶۔	بشر کے جسم سے رنج فراق جاں پوچھو	۳۱
۱۷۔	جب کہ زخمی ہوئے ہم شکل پیمبر رن میں	۴۰
۱۸۔	جب آسماں پہ ختم ہوا دور جام شب	۱۹۷
۱۹۔	نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری	۱۰۳
۲۰۔	پیری میں چھٹے شاہ جو فرزند جواں سے	۱۰۴
۲۱۔	آفتاب فلک عز و شرافت ہے حسین	۳۷
۲۲۔	جب کہ تیروں سے بدن شاہ کا غربال ہوا	۴۰

نمبر شمار	مرثیے	بند کی تعداد
۲۳۔	جب کربلا میں خاتمہ پنجتن ہوا	۵۳
۲۴۔	جب رن میں ہوا خاتمہ لشکر شبیر	۱۳۰
۲۵۔	جب کہ محبوس ہوئے اہلِ حرم زنداں میں	۵۵
۲۶۔	غم پدر میں جو صغرا نحیف و زار ہوئی	۲۲
۲۷۔	جب حرم مُقتل سرور سے وطن میں آئے	۲۰
۲۸۔	اے مومنو مصروف رہو یاد خدا میں	۵۱
۲۹۔	جب کربلا میں نور سحر جلوہ گر ہوا	۱۵۸

انتخاباتِ مراثی انیسؔ:

''نظامی بدایونی نے مراثی میر انیسؔ کی تین جلدیں علی الترتیب ۱۹۲۱ء جلد اوّل، ۱۹۲۴ء جلد دوم اور ۱۹۳۰ء میں جلد سوئم شائع کیں۔ یہ تینوں جلدیں سیّد علی حیدر نظم طباطبائی نے بڑی تحقیق و محنت سے ترتیب دی تھیں۔ جلد اوّل میں انہوں نے ۱۸۵۴ء سے ۱۸۷۴ء تک، دوسری جلد میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۴ء تک اور تیسری جلد میں ۱۸۲۱ء سے ۱۸۳۰ء تک کا کلام شائع کیا تھا۔''[۱]

۱۹۲۸ء میں ۱۱، مرثیوں کا انتخاب زنانی مجلسوں کے لیے ''عروس سخن المعروف بہ جواہرات انیس'' کے عنوان سے بنت حسنین بیگم عابد رضا نے رامپور سے شائع کیا۔

جناب سیّد مسعود حسن رضوی ادیب نے میر انیسؔ کے ۷، مرثیوں کا مجموعہ ''روح انیس'' کے نام سے ۱۹۳۱ء میں پہلی مرتبہ انڈین پریس لمیٹڈ الہٰ آباد سے شائع کیا۔ اس میں سات مرثیے، ۱۵/ سلام اور ۳۵/ رباعیاں شامل ہیں۔

ہمارے معاشرے کے وہ افراد جنہوں نے مغربی ادب کا مطالعہ سنجیدگی سے کیا ہے۔ اکثر یہ نقطہ پیش

---

[۱] نقوش انیس نمبر ، ص ، ۱۸ تا ۱۹

کرتے ہیں کہ انیسؔ کے مرثیے یونان کے رزمیہ (EPIC) ہوسکتے تھے لیکن مختلف کرداروں کے احوال میں لکھنے کی وجہ سے وہ ایک پوری داستان نہیں بنتی شاید اس خیال کو مسعود حسن رضوی ادیب نے ایک ادبی ضرورت سمجھا اور میر انیسؔ کے مختلف اور متعدد مراثی سے بند منتخب کر کے پورے واقعہ کربلا کو ایک لڑی میں پرو دیا اور اس طرح ایک طویل رزمیہ متشکل ہوگیا۔ اس کا نام انہوں نے ''رزم نامہ انیسؔ'' رکھا۔

مجموعہ مراثی میر انیسؔ کی دو جلدیں باہتمام علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ تاجران کتب و مالکان محمدے بمبئی نے ۱۳۵۷ھ میں شائع کیں جس میں امیر انیسؔ کے ساتھ مرزا دبیرؔ اور مونسؔ کے مراثی بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب ایک خاتون نے مجھے مطالعے کے لیے دی تھی۔

لالہ رام نرائن مادھو نے الہ آباد سے اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی والوں نے بھی ''مراثی انیسؔ'' کا انتخاب شائع کیا ہے۔

مراثی میر انیسؔ کی دو جلدیں ''وقار انیسؔ'' کے نام سے جناب مہذب لکھنوی نے شائع کیں۔ دونوں جلدوں میں چھ، چھ مرثیے ہیں۔

صالحہ عابد حسین نے انیسؔ کے جو مراثی مرتب کیے ان میں جلد اوّل میں ۱۸ر مرثیے ہیں۔ دوسری جلد میں ۲۷، اس طرح دو جلدوں میں ۴۵ مراثی موجود ہیں۔ ان کا نام ''انیس کے مرثیے'' ہے۔ اور ترقی اردو بورڈ نئی دہلی سے شائع ہوئے ہیں۔ ''باقیات انیس'' (جلد اوّل) میں ۲۶ر مراثی موجود ہیں اس کی ترتیب و مقدمہ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کا ہے اور محمدی پبلشرز نظیر آباد لکھنو سے شائع ہوا ہے۔ جناب مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ثم پاکستانی نے میر انیسؔ کی صد سالہ برسی کے موقع پر اکتوبر ۱۹۷۴ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے میر انیسؔ کے ۱۲ مراثی مجموعہ ''منتخب مراثی انیس'' کے عنوان سے ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔

۱۹۹۰ء میں ''بزم انیس'' کے نام سے نیر مسعود نے مراثی میر انیسؔ کا ایک انتخاب پیش کیا اس میں انیسؔ کے ۱۲ر مرثیے منتخب کیے گئے ہیں۔ اس کا مقدمہ نیر مسعود صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

''جواہر انیسؔ'' کے نام سے صادق علی دلاری نے ۱۹۹۲ء میں انیسؔ کے مراثی کا انتخاب شائع کیا اس

میں ۳۰؍مرثیے، ۴۰؍سلام اور ۲۷؍رباعیاں شامل ہیں۔ یہ انتخاب شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز سرکلر روڈ نے چوک لاہور انارکلی سے شائع کیا ہے۔

ادارہ بزم انیسؔ ۱۹۶۲ء سے انتخاب میر انیسؔ مسلسل شائع کررہا ہے اس کی جلدوں پر انتخاب میر انیسؔ تحریر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شعر بھی تحریر ہوتا ہے۔

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروس سخن کو سنورا نہیں

اس کی ہر اشاعت میں مرثیوں کے ساتھ رباعیات اور سلام بھی تحریر ہوتے ہیں اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا اور حاجی حسن علی پیر محمد ابراہیم ان انتخابات کو شائع کرکے مسلسل ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور ان کا یہ جذبہ لائق ستائش ہے۔

باب دوم

عرب اور ایران میں خواتین کا معاشرتی کردار۔
مشرقی معاشرے کا جائزہ

باب دوم

عرب اور ایران میں خواتین کا معاشرتی کردار۔

مشرقی معاشرے کا جائزہ

خطِ عرب جغرافیائی حیثیت سے کئی حصّوں میں بٹا ہوا ہے لیکن اس کا بڑا حصّہ ریگستانی ہے دور دور تک آسمان اور زمین کشادہ اور واضح طور پر نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں۔عرب کا پورا خطّہ قبائل سے آباد رہا ہے۔ ہر قبیلے کی اپنی ایک الگ روایت رہی ہے۔

جیسا کہ فلپ ہتی نے اپنی کتاب History of the Arabs میں لکھا ہے کہ ''مکّے میں جو عرب آباد تھے وہ دراصل اُر سے آئے تھے جہاں کے حضرات ابراہیم رہنے والے تھے۔عربوں کا قدیم ترین حصّہ دو قبیلوں میں بٹا ہوا تھا بنوقحطان اور بنوعدنان آگے چل کر بنوعدنان سے بنو ہاشم کا سلسلہ قائم ہوا اور بنو قحطان سے بنوامیّہ کا''۔

یہ دونوں قبیلے اپنے مفادات کے لحاظ سے کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں رہے۔قبائلی زندگی میں جو امور فخر کا باعث ہوتے ہیں ان میں املاک، اولاد، مویشی اور تجارت۔ اتفاق سے دونوں ہی قبیلے اس میں ایک دوسرے کے ہمسر تھے۔لیکن بنو ہاشم کو بنوامیّہ پر فضیلت یہ تھی کہ بنو ہاشم کے پاس کلید کعبہ کا منصب ہمیشہ سے رہا خود خانہ کعبہ کی حیثیت قبل اسلام بہت اہم تھی۔

اسلام سے قبل بھی یہاں ہر سال ایک مرتبہ بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا اور مختلف علاقوں سے قبائل یہاں آکر خانہ کعبہ کو طواف کرتے تھے اور وہ بت خو خانہ کعبہ میں موجود تھے ان کی پرستش کرتے تھے یہ موقع تجارت کے لیے بھی بہت سازگار ہوتا تھا اور یہیں مختلف شعراء اپنے قصائد خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کردیتے تھے اور پھر ماہرین فن ان کی قدر و قیمت کا تعین کرتے تھے۔اسی لیے ان قصائد کو معلقات کہا جاتا تھا۔

چونکہ عرب کی پوری معاشرت قبائلی تھی اس لیے پدرسری طرز زندگی رائج تھا۔عورت کو اپنی املاک ہی

میں سے ایک شے سمجھا جاتا تھا۔ جو عورتیں شمشیر زنی، گھڑسواری یا شعر و ادب سے تعلق رکھتی تھیں انہیں یقیناً کچھ نمایاں حیثیت حاصل ہو جاتی تھی اور ان کا تذکرہ ''الشعراء من النساء'' جیسے تذکروں میں موجود ہے لیکن سماجی حیثیت سے عورت کو زیرِ دست ہی رکھا گیا۔ اس کی حیثیت خاندانی اعتبار سے اس وقت بڑھ جاتی تھی جب وہ اولادِ نرینہ پیدا کرے۔ بیٹیوں کی پیدائش پر شوہر نہ صرف یہ کہ بیوی کو حقارت سے دیکھتے تھے بلکہ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ عربوں کا قبائلی تفاخر جہالت کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور وہ کسی شخص کو اپنی بیٹی دے کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے قائل نہ تھے۔ سماجی زندگی میں عورت کے بیوہ ہونے کے بعد اکثر اس کا بیٹا اس سے شادی کر لیتا تھا اور اس کے لیے مختلف اصطلاحیں رائج تھیں۔ املاک اور روپے پیسے کی تقسیم میں بھی عورت کو دستِ نگر ہی رکھا جاتا تھا کبھی کبھی کوئی خاتون اپنے خاندان کے انفرادی شرف کی وجہ سے عام قبائلی روایات سے الگ ہو جاتی تھی۔ جیسے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کہ وہ مال و دولت اور تجارت کے لحاظ سے ہزاروں مردوں سے زیادہ افضل تھیں لیکن ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔

عرب اونٹ، گھوڑے، بکری اور بھیڑ سے اپنی معیشت کو برقرار رکھتے تھے۔ عورتیں اس معیشت میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ زراعت کے میں کم اور مدینے میں زیادہ ہوتی تھی۔ تجارت کرنے کا حوصلہ بھی کم ہی قبیلوں میں تھا۔ اس لیے چھوٹے موٹے قبیلوں کے لوگ قافلے لوٹ لیا کرتے تھے اور ان میں عورتیں بھی برابر کی شریک ہوتی تھیں۔ مذہبی اعتبار سے ایک طرف تو بت پرستی تھی دوسری طرف یہودیت اور عیسائیت کا بھی رواج تھا لیکن مکے میں اکثریت بت پرستوں کی تھی تاہم ہندوستان، یونان، مصر کی طرح ان کے یہاں دیوتا کا کوئی نسائی روپ نہیں تھا یعنی دیوی کا کوئی وجود نہیں ملتا اس سے عورت کے سماجی مرتبے کے بارے میں ان کے نفسیاتی اور اخلاقی معیارات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ''حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسمٰعیل کی نسل سے عرب کے علاقے میں مختلف قبائل منظرِ عام پر آئے۔ اس کے علاوہ عدنانیوں کے ساتھ قحطان کی آل اولاد بھی خاص تعداد میں بڑھنے لگی۔ حجاز، مکہ، مدینے میں خاص طور پر جو قبائل نام آور ہوئے ان میں خاص طور پر قابلِ ذکر ربیعہ، مُضر، انمار، آیار وغیرہ ہیں۔''

بہت جلد عرب کی معاشرت میں قبائلی نظام نے اپنے معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اثرات کو واضح

کر دیا۔قبائلی نظام میں ہر قبیلے کے جداعلیٰ کے نام ہی سے اسے پکارا جاتا تھا جیسے ربیعہ، اوس، خروج کبھی کسی قبیلے کا نام کسی مخصوص حادثے کی وجہ سے بھی شہرت پاجاتا تھا یا کوئی واقعہ اس کا سبب بنتا تھا۔ جیسے غسان اس کا نام اس لیے پڑا کہ غسان نامی چشمے پر ایک قبیلے نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

قبائلی نظام کے تحت ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا کسی عورت کو یہ منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ اکثر فیصلے انفرادی بھی ہوتے تھے اور اجتماعی بھی ۔لیکن سردار کا حکم سب پر مقدم ہوتا تھا۔سردار کی طرح ہر قبیلے کا ایک شاعر بھی ہوتا تھا۔ وہ اپنے کلام کے ذریعے اپنے قبیلے کے اوصاف، بہادری، مہمان نوازی اور سخاوت بیان کرتا تھا تاکہ دوسرے قبائل پر اس کی فضیلت واضح ہو جائے لیکن اس کا ایک منفی رخ یہ تھا کہ قبیلے کا ہر فرد اپنے قبیلے کی جائز و ناجائز باتوں کی طرفداری کرتا تھا۔ان کا یہ اصول تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔عزت وحمیت کو بے حد اہمیت حاصل تھی لیکن اس کے زیادہ تر اثرات منفی اور غیر تمدنی انداز میں ظاہر ہوتے تھے۔ اس لیے معمولی معمولی باتوں پر قبائل میں جنگ و جدل شروع ہوتا جو کبھی کبھی سالہا سال تک جاری رہتا تھا۔

''ان جنگوں کا ایک پہلو یہ تھا کہ ان کی وجہ سے عربوں میں بہادری، جوش وخروش (حماسہ) اور خودداری کے جوہر پیدا ہو جاتے تھے جن کا عکس ان کی شاعری میں اور خاص طور پر حماسہ کی شاعری میں نظر آتا ہے۔اس نے آگے چل کر شاعری کی ایک مستقل صنف کی حیثیت حاصل کر لی، مقتولوں پر نوحہ کرنے اور رنج وغم کے اظہار کرنے سے شاعری میں مرثیہ گوئی کا فن پیدا ہوا اس میں شعراء کو چھوڑ کر بعض مرثیہ گو شاعرات نے کمال پیدا کیا ہے جیسے تماضر خنسا کہ مرثیہ گوئی میں انہوں نے مرد شاعروں سے بھی زیادہ نام پیدا کیا۔''[1]

جزیرہ نمائے عرب میں رفتہ رفتہ ایسے تغیرات رونما ہوئے جن سے اس کی تمدنی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ان میں تجارت بطور خاص اہمیت رکھتی ہے۔قبل اسلام بھی عرب باشندے ہندوستان، افریقہ،

---

[1] عربی ادب کی تاریخ ، ص ، ۴۴

بحرین، مصر اور شام کی منڈیوں سے واقف تھے اس طرح تجارتی قافلے نہ صرف عربوں کی مالی حالت کو بہتر بنانے میں معاونت کرتے تھے بلکہ عربی زبان بھی نئے نئے خیالات اور الفاظ سے مالا مال ہو رہی تھی۔ ان میں قبیلہ قریش سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ جو الفاظ غیر شعوری طور پر دیگر ممالک سے عربوں کی زبان پر چڑھ جاتے تھے وہ اپنے ملک واپس آ کر اپنی بول چال میں استعمال کرتے تھے۔ اس طرح عربی زبان میں رومی، فارسی، مصری اور حبشی الفاظ شامل ہو گئے اور کئی معنوں میں ترقی ہوئی۔ خیمہ اندوزی کا ایک نیا کلچر معرض وجود میں آیا۔ جہاں گرمی کم ہوتی اور ہریالی نظر آتی تو یہ خیمے نصب کر دئے جاتے ہر خیمے کے دو حصے ہوتے۔ ایک مردانہ، دوسرا زنانہ۔ عام طور پر زنانہ حصہ عقب میں ہوتا تھا۔ عربی کی عشقیہ شاعری میں ان خیموں کا اور ان خیموں میں رہنے والی پردہ نشین حسیناؤں (محدرات) کا ذکر شعراء بڑے دلکش انداز میں کرتے تھے۔ خیمے اٹھنے کے بعد جو نشانات رہ جاتے تھے تو شعراء یہاں سے کوچ کرنے والے قبیلوں کی زہرہ جبینوں سے ہونے والے عہد و پیماں کو یاد کر کے بے قابو ہو جاتے تھے خود بھی روتے اور اپنے دوست احباب کو بھی دعوت گریہ دیتے۔

عربوں کو سب سے زیادہ اونٹ کارآمد نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ گھوڑے، بکریاں اور بھیڑیں روزمرہ کی زندگی میں ہر طرح کی سہولت بہم پہنچاتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے، مقتولین کو ہدیہ دینے، شادی میں مہر دینے کے لیے اونٹ ہی مختلف تعداد میں پیش کئے جاتے تھے۔ مجموعی طور پر اس طرزِ زندگی کو بدویانہ معاشرت کہا جاتا تھا۔

''اس بدویانہ معاشرے میں عورت کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ وہ مردوں کے دوش بدوش ہر کام میں شریک ہوتی تھی لکڑیاں کاٹتی، جانوروں کو دوہتی اور اور کپڑے بنتی تھی۔ ان کے یہاں پردے کا رواج نہ تھا چنانچہ عورتیں بھی مہمانوں کا استقبال کرتی تھیں۔ شادی کے معاملے میں ان کو پوری آزادی حاصل تھی اپنے شوہر اپنی مرضی سے پسند کرنے کا اختیار ان کو حاصل تھا۔ جنگوں میں یہ مردوں کی غیرت و حوصلہ بڑھانے کے لیے لشکر کے پیچھے رہتیں۔ بدوی عورتوں میں سے بہت سی عورتوں نے بہادری، قوت ارادی، عقلمندی اور شعر و ادب میں نام پیدا کیا۔ اس بدوی زندگی کے

ان سب مظاہر کا ذکر ہمیں جاہلی شاعری میں پوری طرح ملتا ہے۔''[1]

ایران میں عورتوں کی سماجی حیثیت کا مطالعہ کرنے کے لیے دو ادوار پیش نظر رکھے گئے ہیں ایک دور قدیم ایران اور دوسرا دور جدید یعنی بعد از قبول اسلام، قدیم ایران کی تاریخ آثار قدیمہ اور کتبات کی صورت میں ملتی ہے۔ جس سے قدیم ایران کی معاشرت اور عورت کی سماجی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قدیم ایران:

''ایران کے شہر شوش کی کھدائی سے ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے جو آج کل پیرس میں بوور کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ اس کتبے پر حمورابی بادشاہ نے ۲۸۲ فرامین کندہ کرائے تھے۔ یہ فرامین قانون، مذہب، تجارت، کشتی سازی، عورتوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق اور دیگر معاشرتی مسائل سے متعلق ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ قوانین انسانی اصلاح کے قدیم ترین قوانین ہیں۔''[2]

ہنخامشی معاشرے میں عورتوں کا درجہ:

''ہنخامشی عہد میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج تھا۔ امراء کی عورتیں پردے میں رہتی تھیں۔ کہیں باہر نکلتیں تو عماریوں پر پردے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ پردے کا یہاں تک اہتمام کیا جاتا تھا کہ اس زمانے کی مجسموں اور ابھرواں تصویروں میں کسی عورت کی شبیہ نظر نہیں آتی۔ لڑکیاں خونی رشتے کے مردوں سے بھی میل جول نہ رکھ سکتی تھیں۔ شادی ان عورتوں سے بھی کر لی جاتی تھی جن سے اسلام کی رو سے شادی کرنا حرام ہے۔ امراء کے یہاں عورتوں کے لیے کام کاج کرنا کسر شان سمجھا جاتا تھا۔ دیہاتی اور خانہ بدوش لوگوں کی عورتیں البتہ بے پردہ رہتی تھیں۔ ان کی

۱۔ عربی ادب کی تاریخ ، ص ، ۵۲،۵۱

۲۔ تاریخ ایران ، ص ، ۴

زندگی امراء کی عورتوں کے لیے باعث رشک تھی۔''[1]

ملکہ:

''بادشاہ کی ملکہ حرم سرا میں مختار کل ہوتی تھی۔ اسے تاج پہننے کا اختیار حاصل تھا۔ محل میں سب کام اسی کی مرضی سے انجام پاتے تھے۔ بادشاہ کی دوسری بیگمات پر اس کی حکومت ہوتی تھی۔ اسے کثیر تعداد میں سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ کوئی ملکہ ہوشیار ہوتی تو اس کا دربار پر بھی اثر ہوتا۔ ملکہ مختار ہونے کے باوجود مادر ملکہ کے زیرِ اثر ہوتی تھی محل میں خواجہ سرا کام کرتے تھے۔ کوئی بادشاہ فضول خرچ اور عشرت پسند ہوتا تو خواجہ سراؤں کو من مانی کرنے کا موقع مل جاتا اس صورت میں ان کا اثر تباہ کن ہوتا تھا۔''[2]

اشکالی عہد کے حرم شاہی:

بادشاہ کے حرم میں متعدد عورتیں ہوتی تھیں لیکن منکوحہ ملکہ ایک ہی ہوتی تھی۔ جو شاہی خاندان میں سے منتخب کی جاتی تھی۔ دوسری تمام عورتیں ملکہ کے تحت ہوتی تھیں۔ ہخامنشیوں کے برعکس عورتوں کا امور سلطنت میں کوئی عمل دخل نہ ہوتا تھا۔ فرہاد پنجم نے اس روایت کو پہلی بار توڑا۔ وہ اپنی والدہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا تھا اور حکومت کی باگ ڈور بھی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ خواجہ سراؤں کو محل میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

ساسانی عہد:

ساسانی خاندان کے نامور بادشاہ شاپور نے اذینہ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ جب اذینہ کا انتقال ہوگیا تو اس کی ملکہ بث ذبینہ نے جسے رومی مورخ زینوبیا اور عرب مورخ زینب لکھتے ہیں اپنے بیٹے وھب الات کے

---

۱ تاریخ ایران ، ص ، ۱۹۰

۲ ایضاً ،، ،، ،،

ساتھ مل کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ملکہ زینب نے پلمیرا کی حکومت بڑے مدبرانہ انداز سے چلائی اور نہ صرف اپنے شوہر کے مقبوضات پر تسلط برقرار رکھا بلکہ اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے لیے بھی بہت کوششیں کیں اور مصر کی سلطنت کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کیا۔اس کامیابی کا سبب زینب کی عقل وفراست تھی۔

مشہور انگریز مورخ گبن لکھتا ہے کہ:

''ملکہ زینوبیا ایک جنگ جو عورت تھی۔ وہ ماہر تیرانداز اور شمشیر زن تھی۔گھوڑے کی سواری میں ماہر تھی۔ شکار اس کا مشغلہ تھا۔اس کا تیر کبھی خطا نہ جاتا تھا۔ زرہ بکتر سے آراستہ رہتی تھی۔ پیدل اور سوار فوج کی کمان وہ خود کرتی تھی۔ وہ حسین وجمیل عورت تھی۔ اور لاطینی، یونانی، شامی اور مصری زبانیں بے تکلف بولتی تھی۔''

بہرام اوّل کے عہد میں قیصر روم اوریلین (Auralin) نے پلمیرا کی ملکہ زینب کے خلاف لشکر کشی کی کیونکہ اب وہ مختار کل بن بیٹھی تھی۔ ملکہ نے بہرام اوّل سے مدد مانگی۔اس وقت روم ایران کا طاقتور حریف تھا اور مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ بہرام اسے کمک بھیجتا اور دونوں ملکوں کی درمیانی ریاست کو بچالیتا لیکن اس نے بادل نخواستہ فوج کے چند دستے ہی بھیجنے پر اکتفا کی۔ جو رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی نہ تھے۔ ملکہ کو شکست ہوئی۔ رومیوں نے شہر پلمیرا کو تباہ و برباد کر دیا۔ جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ رومیوں نے ملکہ زینب کو نہ صرف اسیر کر لیا بلکہ اسے طلائی ہتھکڑی پہنا کر روم بھیج دیا جہاں روم کے جشن فتح میں ملکہ کو بھی ایک اسیر کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔

شہرباز کے قتل کے بعد خسرو سوئم جو قباد دوئم کا بیٹا تھا تخت نشین ہوا۔اس کے بعد خسرو پرویز کی بیٹی پوران تخت نشین ہوئی۔

ثعالبی لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو پوران دخت کے تخت نشین ہونے کی خبر ملی تو فرمایا:

''وہ قوم جو ایک عورت کو حکومت کی عنان سونپتی ہے وہ کبھی آسائش نہیں دیکھ سکتی۔''

وہ چھ ماہ ہی حکومت کر پائی تھی کہ بیمار ہوگئی۔ اور بیماری سے جانبر نہ ہوسکی۔اس کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی یعنی پوران دخت کی بہن آزرمی دخت تخت نشین ہوئی۔ آزرمی دخت نے یہ پسند نہ کیا کہ کسی کو اپنا

وزیر بنائے چنانچہ وہ خود ہی اپنے نازک ہاتھوں سے حکومت چلاتی رہی ۔کہا جاتا ہے کہ آل کسریٰ میں اس جیسی حسین عورت اور کوئی نہ تھی ۔اس زمانے میں ایک نامور سپہ سالار فرخ ہرمز جسے خسرو پرویز نے اپنے عہد میں خراسان کا حاکم بنایا تھا۔آزرمی دخت سے شادی کا خواہشمند ہوا۔اس کے جواب میں آزرمی دخت نے کہلا بھیجا کہ تخت نشین ہونے سے پہلے اگر شادی کی درخواست کی جاتی تو ضرور قبول کر لی جاتی لیکن اب ملکہ بننے کے بعد رعایا کے کسی فرد کے ساتھ شادی کرنا مناسب نہ ہوگا۔ساتھ ہی امور سلطنت کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے اسے پایہ تخت آنے کی دعوت دی ۔اس دعوت پر فرخ ہرمز مدائن پہنچا لیکن کوئی مشورہ کرنے کے بجائے آزرمی دخت نے اس کا سر قلم کروادیا۔ یہ وہی سپہ سالار تھا جو آخری ساسانی دور کے مشہور سالار رستم کا باپ تھا۔فرخ ہرمز کے قتل کے بعد اس کا بیٹا رستم خراسان کا حاکم مقرر ہوا اس نے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے خراسانی لشکر کے ساتھ مدائن پر حملہ کیا۔آزرمی دخت نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی ۔رستم نے اسے اسیر کر کے اندھا کیا اور پھر قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھائی ۔

داستان شیریں:

شیریں جو فارسی اور اردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کرنے کا سبب بنی ایران کے ایک عیسائی گھرانے کی لڑکی تھی حسن و جمال میں یکتا تھی اسے خسرو نے زینت حرم بنالیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خسرو شیریں کی جانب اس طرح متوجہ ہوا کہ یہ عیسائی عام گھرانے کی لڑکی بادشاہ کے دل کی حکمراں بن گئی اور جب قیصر روم کی بیٹی مریم جو خسرو کی ملکہ تھی فوت ہوئی تو شیریں مختار کل ہوگئی ۔مریم کی موت کی بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ شیریں نے اسے زہر دے کر مروادیا تھا۔

خسرو اور شیریں کے افسانے قدیم زمانے ہی میں مشہور ہو گئے تھے ۔اسی نسبت سے فرہاد اور شیریں کی

۱۔ تاریخ ایران ، ص ، ۳۵۶

۲۔ ایضاً ،، ،، ۵۲۵

داستان بھی بہت قدیم ہے جو عشقیہ شاعری کا عام موضوع بنی۔

۵۷۲، ۵۷۳ کا سال نوشیرواں کے لیے جو ساسانی عہد کا اہم بادشاہ تھا بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ عرب کے لوگ کہتے ہیں کہ ادھر نوشیرواں نے یمن کی قدیم ترین سلطنت فتح کی ادھر مکے میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضور ﷺ کی ولادت کی رات مملکت ایران میں شدید زلزلہ آیا۔ جس سے نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے اور وہ مقدس آگ جو پچھلے ایک ہزار سال سے آتش کدوں میں جل رہی تھی۔ دفعتاً بجھ گئی۔ نوشیرواں کے بعد اس خاندان کے چودہ بادشاہوں نے حکومت کی مگر یہ بادشاہت کل ۷۳ برس ہی قائم رہی۔ حضرت امام حسین کی بیوی شہر بانو آخری ساسانی بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش:

حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کی شادی مدینے کے ایک بے حد معزز خاندان میں بی بی آمنہ سے ہوئی۔ حضرت عبداللہ پچیس سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے چند ماہ بعد بی بی آمنہ نے رحمت اللعالمین کو جنم دیا۔ جن کے نام حضرت عبدالمطلب نے محمد ﷺ رکھا جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ ﷺ کی والدہ بھی دنیا سے چل بسیں۔

اسلام کے بعد خواتین کا کردار:

حضرت بی بی خدیجہ:

آنحضرت ﷺ نے جن خاتون سے شادی کی وہ عرب کی سب سے زیادہ باکردار اور صاحب ثروت خاتون جنہیں ''ملیکۃ العرب'' کا لقب ملا اور آپ نے اپنی تمام دولت حضور ﷺ کے حکم کے مطابق بے دریغ خرچ کی۔ آپ بڑی اطاعت شعار اور غم گسار بیوی ثابت ہوئیں۔ آپ کی کئی اولادیں ہوئیں مگر انتقال کر گئیں۔ آپ کی اکلوتی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ تھیں جن کی شادی آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ سے ہوئی۔

حضرت خدیجہ کی طرزِ زندگی فہم وفراست اور معاملات تجارت کی سوجھ بوجھ اور عرب خواتین میں ان

کے نمایاں مقام و مرتبے کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ آپ اس عہد کی عرب خواتین کے لیے ایک مثالی شخصیت کی حیثیت رکھتی تھیں ۔انہیں ہم ایک علامت یا رول ماڈل کے طور پر پیش نظر رکھ سکتے ہیں کیوں کہ کسی اور خاتون کو تاریخ میں وہ حیثیت حاصل نہیں ہوئی ۔آپ نے اپنے تجارتی امور میں جس طرح حضورﷺ کو شامل کیا اور سن و سال کے تفاوت کے باوجود آپ کے نکاح میں آئیں ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شفقت مادری سے محروم پیغمبر کو مائی حلیمہ (آنحضرتﷺ کی والدہ کے انتقال کے بعد مائی حلیمہ نے آپﷺ کو دودھ پلایا ۔کہا جاتا ہے کہ انسان کی شخصیت ویسی ہی ہوتی ہے جسے عرف عام میں شیر کا اثر کہتے ہیں ۔بی بی حلیمہ خود کتنی پاک و پاکیزہ اور حسب نسب کے کس بلند معیار پر فائز ہوں گی کہ ان کو رحمت الا العالمین ، اخلاق مجسم ، سردار انبیاء کو دودھ پلانے پر فائز کیا گیا) کے بعد یقیناً ایک ایسی پر شفقت شخصیت کی ضرورت تھی کہ جو عورت کے تمام پاکیزہ حسن سلوک سے واقف بھی ہوا۔اور ہر قدم پر نہ صرف مسائل و مشکلات کا راستہ ہموار کرے ۔یہ تمام صفات حضرت خدیجہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں ۔اہلِ مکہ نے جو ظلم و زیادتی آنحضورﷺ کے سلسلے میں روا رکھی تھی ۔اس کو کم سے کم اثرات تک پہنچانے میں حضرت خدیجہ کی رفاقت ، داد دہی کو بڑا دخل تھا اور آپ کی وہ تربیت جو بی بی فاطمہؓ کو میسر آئی وہی تربیت آل رسول کی ہر خاتون میں ہر حالات اور ہر مواقع پر مکمل طور پر نظر آتی ہے ۔

برِ صغیر کے معاشرے میں عورت کا کردار:

اس معاشرے کی عورت کو ہم پھر دو حصّوں کو تقسیم کر سکتے ہیں ۔ایک قبل اسلام اور ایک اشاعت اسلام کے بعد ۔

قبل از اسلام:

قبل اسلام کے ہندوستان پر نگاہ ڈالیں تو آریاؤں کی تہذیب ان کے مذہب اور مذہبی کتابوں کے ذریعے وہاں کے معاشرتی ماحول کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ان کے چار وید پوری فکر اور تاریخ پر محیط ہیں ۔سام وید ، اطھر وید ، یجر وید اور رگ وید ۔ان ویدوں میں جہاں پورے معاشرے کے لیے قوانین موجود ہیں وہاں خواتین کے بھی واضح قوانین اور ضوابط شامل ہیں کسی کتاب میں عورتوں کے بارے میں ان خیالات کا اظہار نہیں

کیا گیا جیسے منو میں کیا گیا ہے:

''منو کی تقسیم کے مطابق عورتوں کی خصوصی دلچسپی مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:
پلنگ سے محبت، بیٹھنے کی چوکی سے محبت، زیور کا شوق، شہوت پرستی، غصہ، برائی کی طرف میلان،
اذیت رسانی سے رغبت اور ضدی پنا۔''[۱] (منو)

اس کے بعد جس کتاب نے سب سے زیادہ ہندو معاشرے پر اثر ڈالا وہ ''چانکیہ ارتھ شاستر'' ہے جس میں شاہی خاندان کے علاوہ عام خواتین کے بارے میں بھی اصول اور قوانین مرتب کیے گئے ہیں۔

ہندوؤں کی مختلف کتابوں میں عورتوں کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا گیا ہے۔

پنچ تنتر میں لکھا ہے:

''عورت کی طبیعت کا تلون جیسے سمندر کی موجیں۔ اس کے جذبات بالکل بے ثبات جیسے شفق کے بادلوں کی صفیں۔ جب اس کی ہوس پوری ہو جاتی ہے اور مرد اس کے کام کا نہیں رہتا تو اس سے کنارہ کش ہو جاتی ہے جیسے کوئی اس لاکھ کو پھیک دیتا ہے جس پر چھاپہ ہو چکا ہو۔''[۲]

''ایک سے باتیں کرتی ہے تو دوسرے کی طرف اضطراب کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور دھیان اس کا ہوتا ہے تیسرے کی طرف جس کو وہ دل ہی دل میں رہنے دیتی ہے۔ فی الحقیقت وہ کون ہے جس کو عورت دل سے چاہتی ہے۔''[۳] (پنچ تنتر)

''عورتیں ہمیشہ بے وفا ہوا کرتی ہیں حتیٰ کے لوگ کہتے ہیں دیوتاؤں کی استریوں کا بھی یہی حال ہے۔ خوشا حال ان مردوں کا جن کی عورتوں کی پوری حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر کوئی عورت پاک دامن ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس میں حیا ہے یا حجاب یا طبعتی نیک خصلتی یا خوف بلکہ صرف یہی

۱۔ تمدن ہند ، ص ، ۴۱۶

۲۔ ایضاً // // //

۳۔ ایضاً // // //

کہ اس سے کوئی کسی عنایت کا طلبگار نہیں ہوا۔''[1] (ہتوپردیس)

''شہوت ناک عورت کو جسے ہمیشہ کسی مرد سے لگاؤ رہتا ہے خاندان کی ذلت، دنیا کی ملامت، حتیٰ کہ اسیری اور جان کا خطرہ سب کچھ منظور ہوتا ہے۔''[2] (پانچا تانترا)

اس کے بعد ''منوشاستر'' سب سے اہم مجموعہ قوانین ہے۔ اس میں عورت کو باعصمت، بہادر، باوفا اور گرہستی کے لیے کیسا ہونا چاہیے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح جو ناز یبا سلوک خواتین کے ساتھ ہو سکتا ہے اس کی سزائیں بھی واضح طور پر بیان کی گئی ہیں تاہم ان ویدوں کے بعد ہندو معاشرے کی سب سے اہم کتاب ''مہابھارت'' اور ''رامائن'' میں خواتین کا جو رخ سامنے آتا ہے اس معاشرے میں خواتین کی حیثیت اور مرتبے کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں مثلاً مہابھارت ایک ہی جد کی اولاد کے مابین جنگ کا قصہ ہے یعنی کوروا اور پانڈو دردبھری پانچ بھائیوں کی بیوی ہے اور اسے ایک مرحلے پر پانڈو جوئے میں ہار دیتے ہیں۔ اس سے جنسی اخلاقیات اور عورت کی سماجی حیثیت کس درجہ گری ہوئی تھی بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

اسی طرح رامائن میں کیکئی کا کردار سامنے آتا ہے جس کے اصرار پر راجہ دسرت رام چند کو بن باس پر مجبور کرتا ہے اور کیکئی کے بیٹے بھرت کو تخت کا وارث بنا دیتا ہے۔ بن باس میں ان کے ساتھ ان کا چھوٹا بھائی شمن اور سیتا بھی ہوتی ہیں لیکن اس دربدری کے زمانے میں لنکا کا راجہ راون سیتا کو اغوا کر لیتا ہے۔ بارہ برس کا کٹھن وقت گزارنے کے بعد جب رام اور سیتا اپنی راجدھانی اجودھیا میں پہنچتے ہیں تو گلی کوچوں میں عام چرچا یہ ہوتا ہے کہ کیا سیتا اغوا ہونے کے بعد بھی پاک دامن رہیں؟

اس زمانے میں رواج یہ تھا کہ بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ملزم کو ایک پل پر سے گزرنا ہوتا تھا جسے اگنی پرکشا کہا جاتا تھا چنانچہ سیتا کو بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اس امر پر تیار کیا گیا۔ سیتا نے دعا مانگی کہ اگر میں بے گناہ ہوں تو یہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں اور ایسا ہی ہوا۔ ان چند مثالوں سے اندازہ لگانا

---

[1] تمدن ہند، ص، ۴۱۶

[2] ایضاً ،، ،، ،،

مشکل نہیں کہ خواہ راج محل کی عورت ہو یا عام گلی کوچوں کی مرد کے بنائے ہوئے قوانین کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی اس پر متضاد ذات پات کا نظام تھا جس میں سب سے پہلی ذات شودر کی تھی اور شودر عورتوں کے لیے کسی قسم کے حقوق کا تحفظ موجود نہ تھا۔

ہندو مت کے بعد گوتم بدھ کا زمانہ آتا ہے۔ بدھ مت میں خواتین کا کردار کوئی خاص طور پر نمایاں نہیں ہوا صرف مہاتما بدھ کی بیوی کا ذکر آتا ہے جسے سوتا چھوڑ کر وہ مکتی کی تلاش میں راج محل سے نکل گئے تھے پھر کرشن جی اور رادھا اور کرشن کی گوپیوں کا مذہبی تصور ہے۔ مہادیو کی بیوی پاربتی کا تذکرہ ہوتا ہے اور ان میں کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ شرف انسانیت سے کم ہیں اور کبھی اتنا بڑھا دیا جاتا ہے کہ مافوق الفطرت صفات کی حامل ہو جاتی ہیں۔

جہاں تک رسم و رواج کا تعلق ہے تو ان کا اظہار گذشتہ کئی ہزار سال سے ہندو معاشرے میں یکساں طور پر ہو رہا ہے مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر سن و سال کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے اسی طرح آگ کے گرد سات پھیرے مکمل کر کے پنڈت یا پیروہت شادی کی رسم ادا کرواتا ہے بیوہ ہونے کی صورت میں اس کا سر منڈوا دیا جاتا ہے ننگے پاؤں رکھا جاتا ہے۔ سنگھار یا رنگین کپڑے ممنوع ہوتے ہیں۔ خوشی کی تقریبوں میں اسے شرکت کی اجازت نہیں ہوتی اور کسی حال میں بھی عقد ثانی ممکن نہیں۔ پردہ گھونگٹ کی شکل میں ہوتا ہے اور ان رشتوں میں بھی جنہیں گھر کا بزرگ یا محرم کیا جاتا ہے گھونگٹ کا التزام برقرار رہتا ہے۔ کوئی عورت اگر سہاگن مرے تو اس کو دلہنوں جیسے لباس میں کفنایا جاتا ہے مہندی، مسی، پھول، بالوں کا سنگھار غرض ہر طرح ایک دلہن ہی کی شکل دے دی جاتی ہے اور ہندو مرد کی طرح ہندو عورت کو بھی شمشان گھاٹ میں جلایا جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط تک ہندوؤں میں ستی کی رسم بھی موجود تھی۔ جس میں بیوہ عورت کو اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ زندہ آگ میں جل جانا ہوتا تھا۔ یہ رسم انگریزوں کے زمانے میں ولیم بینٹک نے ختم کروائی تھی۔

اشاعت اسلام کے بعد:

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی آمد حضورﷺ کے زمانے میں ہی شروع ہوگئی تھی۔عربوں کی تجارت تو قبل از اسلام ہی سے جاری تھی مگر اسلامی عقائد کا اظہار اشاعت اسلام کے ساتھ ہوا۔

آنحضرتﷺ کی ایک حدیث یہ بھی ہے کہ

''مجھے ہند سے ٹھنڈی ہوا آرہی ہے۔''

جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ ۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اسی طرح آنحضرتﷺ کو ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار پسند تھی جو''مہند'' کہلاتی تھی۔ پھر کئی صحابہ تبلیغ کے سلسلے میں بھی آتے رہے لیکن مسلمانوں کی بڑی تعداد میں آمد محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ وملتان سے ہوئی۔اس وقت سندھ میں راجہ داہر کی حکومت تھی جو برہمن تھا اور اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے اپنی بہن سے شادی کی تھی اس سے بھی عورت کے رشتوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

محمد بن قاسم کی آمد سے یہاں کی رعایا پر خوشگوار اثر مرتب ہوا۔اس کا سبب یہ ہے کہ راجہ داہر برہمن تھا اور ذات پات کے نظام کو رائج کیے ہوئے تھا لیکن رعایا کی اکثریت بدھ مت کو مانتی تھی اور بدھ مت میں ذات پات کی تفریق کے بغیر عام رعایا سے میل جول بڑھایا اور سماجی روابط استوار کئے تو مسلمانوں کے عقائد ونظریات کو بھی قبولیت حاصل ہوئی اور مسلمان ہوجانے والی عورتوں کو وہی معاشرتی مقام ملا جو اسلام میں مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

محمد بن قاسم کے بعد افغان، ترک اور ایرانی سپہ سالاروں نے یکے دیگرے ہندوستان میں اپنے اثرات مرتب کیے۔غزنوی اور خلجی عہد کی خواتین کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں کم ملتا ہے۔لیکن تغلق، بلبن اور مغلیہ عہد حکومت میں کئی خواتین ایسی گزری ہیں جنہوں نے حکومت بھی کی سپاہیانہ جرات وفتوحات کا مظاہرہ بھی کیا، کتابیں

بھی لکھیں اور شعروادب سے بھی اپنا گہرا تعلق قائم کیا ان میں بابر کی بیٹی گلبدن بیگم (مصنفہ ہمایوں نامہ) نور جہاں، زیب النساء، رضیہ سلطانہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اکبر کے زمانے میں ہندوراجپوتوں کا عمل دخل اور اثر رسوخ بڑھ گیا تھا اور پھر انگریزوں کا بھی تبلیغی اثر محسوس ہونے لگا تھا۔ اس لیے اس نے تمام ادیان کو ملا کر ایک دین وضع کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ایک بیوی عیسائی تھی جس کے لیے اس نے اپنے محل میں کلیسا بھی بنوایا تھا دوسری بیوی جودابائی تھی جو ہندومت پر ہی قائم رہی اور اس کی پوجا پاٹ کے لیے محل میں مندر بھی تعمیر کروایا تھا۔ اکبر ہی کے زمانے میں چتوڑ کی رانی نے فوجی مدد مانگی اور اکبر کو راکھی بھجوائی اس ہندوانہ رسم کو اکبر نے دل و جان سے قبول کیا اور رانی کی بھرپور مدد کی۔

اس طرح معاشرتی، مذہبی، سماجی اور اخلاقی طور پر ہندو معاشرے کے متعدد اثرات مسلمانوں نے قبول کئے اور مسلمانوں کے رسم ورواج کا اثر ہندو طبقات پر بھی پڑا اور ایک مشترک تہذیب معرض وجود میں آئی جس کی ایک مظہر اردو زبان بھی ہے۔

حضورﷺ نے جب بھی مخاطب کیا مرد وعورت کو ایک ساتھ مخاطب کیا مثلاً یہ حدیث کہ:

''علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے''

آج بھی مرد وعورت ایک ساتھ مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عربوں کے قدیم ناپسندیدہ رسوم ورواج کو بدلنے کے لیے اسلام نے کچھ ایسے قوانین اور احکام نافذ کئے جس سے عورت کی حیثیت جاہلیہ کے مقابلے میں بہتر اور برتر نظر آتی ہے۔ تاہم یہ بات جزوی طور پر درست ہے مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اسلام میں عورت کا مقام الہامی اور غیر الہامی سطح پر دوسرے مذاہب سے بالکل الگ ہے مثلاً قرآن کریم میں ایک پوری سورۃ ''سورۃ النسا'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اسی طرح ملکہ صبا کا تذکرہ بھی احترام اور شائستگی کے ساتھ ہے۔ پھر جگہ جگہ خواتین کے حقوق اور ان سے مردوں کے سماجی برتاؤ کے بارے میں قرآنی احکام واضح طور پر موجود ہیں۔

جہاں تک محرمان کا تعلق ہے واضح طور پر آیات موجود ہیں کہ ماؤں، اولادوں، پھپیوں اور بیٹیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب ''الناس'' کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جو قرآن میں بہت کثرت سے آیا ہے

تو اس میں عورتوں اور مرد سے یکساں خطاب ہے۔اس لیے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے عورت کو محترم مقام دیا ہے وہ پوری سماجیات کا ایک حصہ ہے نا کہ خصوصی مراعات کا کوئی نمائشی اظہار۔

اسی طرح ہندوستان کی ایک ہزار سال کی تاریخ میں متعدد مسلم خواتین کی خدمات اور ان کے اعلیٰ کارناموں کے تذکرے ملتے ہیں۔ان کے خاندانی رکھ رکھاؤ،عزت و ناموس کا خیال،علم پروری،ادب نوازی اور گھر گرہستی کی تعلیم و تربیت عام رہی ہے۔بعض علاقوں میں حیا،عزت اور ناموس کے نام پر بیٹیوں کا قتل بھی ہو جاتا ہے۔جسے انتہا پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن عام طور پر مشرق کی عورت،اسلامی تہذیب کے زیر اثر اس طرح ترقی کرتی رہی ہے کہ اکثریت کو کبھی نشانہ تنقید نہیں بنایا گیا اور گزشتہ دو صدیوں کے دوران تو عام خواتین نے بھی تعلیم،مذہب،سیاسیات،قیادت اور زندگی کے بے شمار شعبوں میں ایسی مثالیں قائم کی ہیں جنہیں عالمی سطح پر عالمی اقوام نے بھی تسلیم کیا ہے۔

باب سوم

واقعہ کربلا سے متعلق خواتین کا تعارف

واقعہ کربلا سے متعلق خواتین کا تعارف، منصب اور کارکردگی میر انیسؔ کے حوالے سے

کربلا دریائے فرات کے کنارے ایک بے آب و گیاہ علاقے کا نام تھا لیکن حضرت امام حسینؑ اور ان کے انصار کی بے مثال قربانی کے بعد کربلا ایک تاریخ بھی ہے، ایک واقعہ بھی ایک صداقت بھی اور ایک استعارہ بھی لہٰذا جب کربلا کا تذکرہ آئے گا تو دن، سال اور مہینے کے ساتھ ساتھ روایات اور متعلقات کربلا کا تذکرہ بھی ضرور آئے گا۔ کربلا پر غور و فکر کر کے واقعات کو ایک لڑی میں اس طرح پرو دیا گیا ہے کہ وہ خود ایک داستان بن گئی جس کے کردار بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ کربلا ایک ایسا منظر نامہ بن گئی جس کے کردار عازم سفر ہوتے، صعوبتیں سہتے اپنی خودداری اور عزت نفس کو برقرار رکھتے اور مجبوراً اپنے اعدا سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوتے اور خاکستر کربلا کو اپنے سروں پہ ڈالے پابہ زنجیر شام کی طرف روانہ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام اذیت ناک دور جو شام کے قید خانے میں گزرا اور پھر وہاں سے مدینے کی طرف مراجعت یہ سب کچھ کربلا ہی ہے جس کا بہترین اظہار میر انیسؔ کے مراثی میں ہے۔

اسلام کی بقاء اور حفاظت کے لیے امام حسینؑ جس طرح مدینے سے مکے تشریف لے گئے اور پھر حج کو عمرے میں تبدیل کر کے کوفے کی سمت اپنے اہل خانہ اور انصار کے ہمراہ روانہ ہوئے یہ بظاہر ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن یہ ایسا واقعہ ہے کہ جو تاریخ سے نہیں بنتا بلکہ تاریخ بناتا ہے۔ دنیا کے تمام معرکوں پر نظر ڈالیے تو اندازہ ہوگا کہ جس نوعیت اور بے سروسامانی کے عالم میں امام حسینؑ نے یہ فیصلہ کیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اپنے ہمراہ اپنے رفیقان ایثار پسند کے علاوہ وہ افراد خاندان بھی تھے جن میں ان کے بھائی حضرت عباسؑ علمدار، خواہر گرامی جناب زینبؑ ان کے صاحبزادگان عونؑ و محمدؑ آپ کے بھتیجے جناب قاسمؑ، آپ کے جوان بیٹے جناب علیؑ اکبر اور امام زین العابدینؑ، آپ کی صاحبزادی جناب سکینہؑ اور شش ماہہ علیؑ اصغر بھی ہمراہ تھے۔ خواتین میں آپ کی ازواج بھی تھیں اور کنیزیں بھی۔ اس سے قبل اسلامی یا غیر اسلامی جنگوں میں خواتین کو کبھی کسی مبارزت کا حصہ نہیں بنایا گیا زیادہ سے زیادہ انہوں نے یا تو زخمیوں کو پانی پلایا یا ان کی مرہم پٹی کی لیکن ہمہ وقت جنگ کے غیر معمولی ماحول میں رہنا اور برابر کے مصائب برداشت کرنا صرف کربلا سے وابستہ خواتین ہی کے حصے میں آیا۔

ننھی سکینہؑ سے لے کر جناب زینبؑ تک ہر نسوانی کردار ایک مثالیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مرثیہ نگاوں کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے احساسات، جذبات نفسیات کو بطورِ خاص ملحوظ خاطر رکھا۔ اس طرح ان کرداروں کے الوہی اوصاف سے زیادہ انسانی اوصاف اس طرح اجاگر ہوئے کہ ان واقعات کو مرثیوں کے ذریعے پڑھنے والے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مرثیہ کا تاریخی تناظر تو ایک ہی ہے اور اس کے تمام کردار بھی اپنی تعداد اور اپنے کارناموں کی بنا پر جانے پہچانے ہیں تاہم مرثیہ گو شاعر میں شاعرانہ اوصاف کی جس قدر زیادہ بلندی ہوتی ہے اس کا تصنیف کردہ مرثیہ اتنا ہی قابلِ توجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میر انیسؔ کو جو فضیلت تمام مرثیہ گویوں پر حاصل ہے اس کا ثبوت ان کے مراثی سے ہی ملتا ہے۔

میر انیسؔ نے بعض خوبصورت اختراعات سے بھی کام لیا ہے مثلاً واقعہ کربلا کے انسانی کرداروں کو عرب کے لسانی اور معاشرتی ماحول سے ہٹا کر ہندوستانی تہذیب اور اس کی روایات سے منسلک کیا اور اس طرح اہلِ ہند اور اردو دنیا کے لیے ایک ذاتی تجربے میں تبدیل کر دیا۔

انہوں نے ان نسوانی کرداروں کو بھی انتہائی عقیدت اور مؤدت کے ساتھ اپنے مرثیوں میں نمایاں کیا ہے جو ہنگام کربلا امام حسینؑ کے ہمراہ تھیں نیز ان خواتین کرام کا بھی حسب موقع و محل تذکرہ کیا ہے جو اگرچہ کربلا میں موجود نہیں تھیں لیکن رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی نسبت سے ان کی بہت اہمیت ہے۔ یہ زاویہ بھی میر انیسؔ کا ایک کارنامہ ہے۔ اور تمام رشتے ہمیں اپنی حیثیتوں اور اہمیتوں کے ساتھ اسی طرح مربوط نظر آتے ہیں جیسے وہ اپنی زندگی میں تھے۔

حضرت اُمِ سلمیٰؑ

حضرت اُمِ سلمہ کا نام ہند بنت ابی امیہ سہیل المخزومی تھا کنیت اُمِ سلمہ لقب ام المومنین تھا۔ آپ کی ولادت ۲۸ سال قبل ہجرت نبویؐ ہوئی۔ والد کا نام ابی امیہ بن مغیرو بن عبداللہ بن مخزوم القریشی تھا۔ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ آپ کے پہلے خاوند حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن بلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القریشی تھے اور خاوند ثانی حضرت محمد مصطفیٰؐ تھے۔ (۱)

آپ کی وفات ۸۴ سال کی عمر میں ہوئی آپ کا مدفن شام میں ہے اولادوں میں سلمہ، عمر، زینب، ورہ (پہلے شوہر سے)

''آپ دعوت توحید کے اوائل ہی میں اسلام لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے شوہر ابوسلمہ کے ہمراہ رسول کے دارارقم میں جانے سے قبل اسلام لائیں۔ (۲)

حضرت ام سلمہ کو اپنے شوہر ابوسلمہ کی رحلت کے بعد زوجہ رسولؐ کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے رسولؐ سے بہت سے نسبتی رشتے ہیں یعنی آنحضرت کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب ام سلمہ کی والدہ تھیں۔ حضرت حمزہ کی بیٹی امامہ ام سلمہ کی بڑی بہو تھیں۔ ام سلمہ رسولؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اس کے علاوہ رسول کی پھوپھی برۃ بنت عبدالمطلب حضرت ام سلمہ کی ساس تھیں۔ اس لیے کہ ام سلمہ کے پہلے شوہر ابوسلمہ برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور رسولؐ کے پھوپھی زاد تھے۔ (۳)

آپ حبشہ کی جانب پہلی ہجرت میں اپنے شوہر کے ساتھ شریک تھیں اور پھر جب مسلمانوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی تب بھی آپ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔ حبشہ میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد حضرت ام سلمہ اپنے شوہر ابوسلمہ کے ہمراہ ہجرت رسول سے چند عرصے قبل مکہ واپس آ گئیں مگر جب آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو خفیہ طور پر مکے سے مدینے ہجرت کرنے کا حکم دیا تو ''ام سلمہ نے سب سے پیشتر مدینے کی طرف ہجرت کی تھی اس لیے آپ پہلی مہاجرہ ہیں'' (۴)

۱۔ ام سلمہ سلام اللہ علیہا — صفحہ ۲۷
۲۔ حبیب کبریا کے تین سو اصحاب — صفحہ ۳۰۶
۳۔ سیرت رسول جلد دوم — صفحہ ۱۵۰
۴۔ شہادت کبریٰ جلد اول — صفحہ ۱۷۷

مہاجرین صحابہ میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے حضرت ابو سلمہ تھے۔ (۱)

حضرت ابو سلمہ نے غزوہ احد میں اپنے جوہر دکھائے۔ جنگ احد میں آپ صاحب میسرہ تھے پھر آپ بنی اسد سے جنگ کر کے واپس آئے حضرت ام سلمہ نے آپ کی بے پناہ خدمت کی مگر صحت یاب نہ ہو سکے۔ رحلت سے قبل ابو سلمہ نے ام سلمہ کے لیے اس طرح دعا فرمائی۔ ''اے اللہ میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا کرنا کہ جو انہیں آزار نہ پہنچائیں'۔ (۲)

خدا نے اس شہید کی دعا کو قبول کیا اور ام سلمہ کو خاتم المرسلین جیسا شوہر عنایت فرمایا۔ ابو سلمہ کے انتقال پر نمازِ جنازہ خود آنحضرتؐ نے پڑھائی اور دفن کے بعد آپؐ ام سلمہ کے گھر گئے ان کے مراتب جنت کا ذکر کرتے رہے۔

''ابو سلمہ کے انتقال کے چھ ماہ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ ام سلمہ کا عقد رسولؐ سے ہو گیا رسولؐ نے آپ سے ہجرت کے چوتھے سال ماہ جمادی الثانی یا ۲۰ شوال کو عقد فرمایا'' (۳)

حضرت ام سلمہ جب آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں اور آپؐ نے مدینے ہجرت کی تو ام سلمہ کیلئے بھی ایک مکان تعمیر کیا اس مکان کی شان یہ تھی کہ ام سلمہ کے گھر میں آیت تطہیر کا نزول ہوا۔ (۴)

اسی گھر میں حضرت فاطمہ کی شادی علی بن ابو طالبؑ سے ہوئی (۵)

ازواج النبیؐ میں ام سلمہ کی ذات اقدس وہ واحد ذات ہے کہ جنھوں نے تین معصومین کی پرورش کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان تینوں معصومین کا ام سلمہ کی پرورش وحفاظت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ محب اہل بیتؑ میں کمال کے درجے پر فائز تھیں اور آپ کی اسی محبت کو دیکھتے ہوئے رسولؐ نے آپ کو امام حسینؑ کی شہادت سے

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد اول — صفحہ ۳۱۰

۲۔ مثالی خواتین — صفحہ ۹۳

۳۔ انسان کامل جلد دوم 'طبقات ابن سعد'' جلد ششم — صفحہ ۶۸

۴۔ اسوۃ الرسول ج دوم — صفحہ ۳۲۱

۵۔ ینابیع المودت — صفحہ ۱۶۸

آ گاہ کر دیا تھا اور کربلا کی خاک ایک شیشی میں محفوظ کرا دی تھی کہ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا حسینؑ شہید ہو گیا۔ یہ خاک ام سلمہ کو اس لیے دی گئی تھی کہ حضورؐ جانتے تھے کہ ام سلمہ ۶۱ ھ تک زندہ رہیں گی اور آپ اتنی امانت دار ہیں کہ یہ خاک سنبھال کر رکھیں گی۔

اس کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ام سلمہ محبِ اہل بیت ہیں جب خاک کربلا خون ہو جائے تو اسے دیکھ کر وہ مدینے والوں کو شہادت حسینؑ کی خبر دیں گی تو سب کو ضرور یقین ہو جائے گا تیسرا اہم سبب یہ تھا کہ رسولؐ نے اپنی زوجہ کو خاک دے کر بتایا اگر میں واقعہ کربلا کے وقت موجود ہوتا تو ضرور حسینؑ کا ماتم کرتا۔ اس کام کو ام سلمہ نے بروزِ عاشور سرانجام دیا۔

حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے وقت ام سلمہ مکے سے شہادت کی خبر سن کر مدینے آ گئی تھیں اور واقعہ کربلا تک مدینے میں ہی رہیں۔

''جب امام حسینؑ ارض عراق سے سفر مکہ پر روانہ ہوگئے تو ام سلمہ روزانہ اس شیشی کو دیکھا کرتی تھیں مگر جب روزِ عاشور کو دیکھا تو اس میں خون ابل رہا تھا یہ دیکھتے ہی حضرت ام سلمہ نے چیخ مار مار کر رونا شروع کر دیا''(۱)

حضرت امام حسین اپنی صاحبزادی فاطمہ صغرا کو حضرت ام سلمہ کے سپرد کر کے گئے تھے آپ نے فرمایا اماں جان! میری اس بیمار اور غمگین واداس بیٹی کا خاص خیال رکھنا۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ ام سلمہ کے گھر سے نوحہ وشیون کی آوازیں بلند ہوئیں جب میں نے نزدیک جا کر پوچھا تو حصرت ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کو خواب میں دیکھا ہے بال پریشان تھے میں نے سبب پوچھا تو کہا آج میرا حسین اور اس کے اصحاب شہید ہو گئے۔ میں جب خواب سے بیدار ہوئی تو گھبرائی ہوئی جانب حجرہ دوڑی مجھ کو کچھ ہوش نہ تھا میں اس خاک کی طرف دوڑی جو جبرائیل کربلا سے لائے تھے اور پیغمبر کو دی تھی اور کہا تھا کہ جب یہ لہو ہو جائے تو سمجھنا کہ تمھارا حسین شہید ہو گیا یہ خاک حضرتؐ نے مجھے دی تھی اس وقت میں نے دیکھا کہ

۱۔ شہادت کبریٰ جلد اوّل — صفحہ ۱۶۵

۲۔ بحارانوار جلد اول — صفحہ ۳۹۹

مناقب بن شہر آشوب جلد پنجم ص ۸۴

شیشی میں خون جوش مار رہا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ ام سلمہ نے اس کو لے کر اپنے چہرہ پر ملا اور نوحہ وماتم برپا کیا۔ (۱)

کربلا میں حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب کے دو فرزند بھی شہید ہوئے تو اریخ شاہد ہیں کہ ام سلمہ امام حسین کی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔ علامہ فوق بلگرامی نے صحیح تحقیق لکھی ہے کہ امیر مختار ۶۴ ھ میں مدینے آئے تھے اور ام سلمہ سے ملاقات کی تھی اس حساب سے ام سلمہ کی وفات ۶۴ ھ یا ۶۵ ھ میں ہوئی۔

ام سلمہ رسولؐ کی وہ واحد زوجہ تھیں جنھوں نے اہل بیت کے سایہ میں زندگی گزاری ان سے محبت کی اور تمام ازواج سے آخر میں وفات پائی۔ حضرت ام سلمہ کی نماز جنازہ ابو ہریرہ نے پڑھائی۔ (۲)

آپ کے مدفن کے بارے میں اختلاف ہے کچھ حضرت کہتے ہیں کہ جنت البقیع میں دفن ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شام میں آپ کا مزار ہے۔

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد پنجم حصہ صفحہ ۸۴

۲۔ شہرت النبی جلد دوم صفحہ ۳۱۴

حضرت فاطمہ زہراؑ

نام فاطمہ بنت محمدؐ کنیت ام ابیھا اور ام النبی (یعنی نبی کی ماں) آپ کے القاب صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ اور بتول آپ کا مشہور ترین لقب ''زہرا'' ہے۔

آپ کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کے والد پیغمبر اکرمؐ اور والدہ حضرت خدیجہ تھیں۔ جن سے آنحضرتؐ کی نسل پروان چڑھی۔ آپ رسول خدا کی صفات اور اخلاق لے کر دنیا میں آئیں۔ جناب عائشہؓ اس مشابہت وجسمانی وروحانی واخلاقی رابطے کے سلسلے میں فرماتی ہیں۔

''میں نے نشست وبرخاست میں جناب فاطمہ سے زیادہ کسی کو رسول خدا سے مشابہ نہیں پایا''(۱)

حضور اکرمؐ نے حضرت فاطمہ کا تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے۔

''فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے ان کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا''۔(۲)

آپ کی شادی یکم ذی الحجہ ۲ ہجری میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہوئی۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ آپ کے صاحبزادے اور دو بیٹیاں زینب الکبری اور ام کلثوم تھیں ۱۱ ہجری میں اسقاط محسن ہوا۔

حضرت فاطمہؑ زہرا کا سارا بچپن فقر وفاقہ اور تنگیٔ مصائب میں گزرا۔ آپ کو جن حضرات سے تربیت ملی ان میں حضرت خدیجہؑ، سرور کائناتؐ، فاطمہ بنت اسد، ام الفضل، اسما بنت عمیس زوجہ جعفر طیار، ام ہانی ہمشیرہ جناب ابوطالبؑ، ام ایمن، صفیہ بنت حمزہ شامل ہیں۔

پیغمبر اسلام نے حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت علی کو زبان دی تھی اور بعد میں فرمایا تھا کہ میری بیٹی کا کفو خانہ زاد خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا''(۳)

۱۔ فضائل الخمسۃ من الصحاح الستہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۷

۲۔ اسد الغابہ لابن الاثیر جلد ۵ صفحہ ۵۲۰

۳۔ نور الانوار شرح صحیفہ سجادیہ فصل ۱۳ صفحہ ۴۵

مگر حضرت فاطمہ کے سن بلوغ تک پہنچتے ہی لوگوں کے پیغامات آنے لگے اس کے بعد حضرت علیؑ نے درخواست کی تو آپؐ نے فاطمہ کی مرضی دریافت فرمائی۔ وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضامندی تھا''۔ (۱)

آپ کے شوہر حضرت علیؑ تھے آپ ۲ ہجری ۹ سال کی عمر سے لے کر ۱۱ ہجری تک ۹ سال حضرت علی کی زوجیت میں رہیں۔ شوہر کے گھر جانے کے بعد آپ نے جس نظام زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے وہ تمام عالم کی عورتوں کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ گھر کا تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرتیں جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ کاتنا، چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا یہ تمام کام آپ تنہا انجام دیتی تھیں پھر جب ۷ ہجری میں پیغمبر خداؐ نے ایک خادمہ عطا کی جو فضہ کے نام سے مشہور ہیں تو رسول خداؐ کی ہدایت کے مطابق سیدہ عالم فضہ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں بلکہ ایک عزیز رفیق جیسا برتاؤ کرتی تھیں اور اس طرح خادمہ کو خادمہ ہونے کا تصور نہ پیدا ہونے دیتی تھیں دراصل یہ مساوات محمدیؐ کی اعلیٰ مثال ہے''۔ (۲)

حضرت فاطمہ کی شادی کے وقت جناب فاطمہ بنت اسد زندہ تھیں ساس بہو کے تعلقات اکثر کشیدہ یا ناخوشگوار ہو جایا کرتے ہیں مگر حضرت فاطمہ نے ایسا دستور اور رویہ اختیار کیا کہ کبھی آپس میں کشیدگی پیدا نہ ہونے پائی۔ آپ نے فاطمہ بنت اسد کے سپرد عزہ و اقرباء کی ملاقات، شادی اور غمی میں شرکت کو قرار دیا اور اپنے ذمے امور خانہ داری مثلاً چکی پیسنا، روٹی پکانا وغیرہ رکھ لیا اس طرح کبھی کشیدگی پیدا نہ ہوئی۔

حضرت فاطمہ کی پرورش نبوت کے گھر میں اپنے باپ رسول خداؐ کی آغوش میں ہوئی۔ وہ اس گھر میں پروان چڑھیں جو فرشتوں کی آماجگاہ اور مرکز نزول وحی و آیات تھا۔ ان ایام میں پورے عرب بلکہ پورے جہان میں صرف ایک ہی گھر تھا جہاں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی تھی۔

جنگ احد میں حضرت فاطمہ کو خبر ملتی ہے کہ جنگ میں آپ کے بابا زخمی ہو گئے ہیں۔ آپؐ کے چہرہ اقدس پر پتھر لگا ہے اور خون سے رنگین ہو گیا ہے۔ حضرت فاطمہ چند عورتوں کو ساتھ ملاتی ہیں پانی اور خوراک اٹھاتی ہیں اور میدان جنگ کی طرف جاتی ہیں۔ خواتین زخمیوں کو پانی پلاتی ہیں اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرتی ہیں اور اپنے باپ کے زخم صاف کرتی ہیں۔

۱۔ سیرت النبیؐ صفحہ ۲۶۱

۲۔ ستارۂ درخشاں مدینہ صفحہ ۱۱

جناب سیدہ کا جہاد: اسلام میں عورت کا جہاد مرد سے مختلف ہے اس لیے جناب سیدہ نے کبھی میدانِ جنگ میں قدم نہیں رکھا۔ مگر رسولؐ جب کبھی زخمی ہوئے گھر واپس تشریف لاتے تو پیغمبر کے زخموں کو دھلانے والی اور حضرت علی جب خون میں ڈوبی ہوئی تلوار لے کر آتے تھے تو ان کی تلوار کو صاف کرنے والی فاطمہ زہرا ہی ہوتی تھیں۔ صرف ایک دفعہ نصرت اسلام کے لیے میدان میں گئیں مگر اس پر امن معاملے میں جو نصرانیوں کے مقابلے میں ہوا تھا اور جس میں صرف روحانی فتح کا سوال تھا اس جہاد کا نام مباہلہ ہے۔ اس میں سیدہ باپ، شوہر اور بیٹیوں کے درمیان مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔

بی فاطمہ زہرا نے اپنے والد بزرگوار کا جو مرثیہ کہا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

حبتِ علٰی مصائب لو انہا

صبت علی الایام ضبرن لیا لیا

ترجمہ: ابا جان آپ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو مثل شب کے تاریک ہو جاتے۔

حضرت فاطمہؑ اپنے دل و جان اور پورے وجدان وشعور کے ساتھ اپنے باپ کے جہاد اور صبر وثبات میں شریک رہیں۔

حسن بصری فرماتے ہیں:

'اس امت میں فاطمۃ الزہرا سے زیادہ عبادت گزار عورت نہیں تھی آپ کھڑی ہو کر اتنی عبادت کرتی تھیں کہ پیروں میں ورم آ جاتا تھا''۔ آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ شب و روز نمازیں پڑھا کرتی تھیں اور آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ ۱۰ ہجری میں آخری حج کیا تھا۔ ۳ جمادی الثانی ۱۱ ہجری پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے پچانوے دن بعد آپ کی رحلت ہوئی، آپ کے غسل وکفن اور دفن کو پوشیدہ رکھا گیا۔ آپ کے مدفن کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا مدفن مبارک مسجد الحزن کے پیچھے ہے اور یہ بقیع میں مسجد قبہ عباس کے پیچھے واقع ہے۔ بعض روایات کے مطابق سات قبریں اور ایک روایت کے مطابق چالیس قبریں فاطمہ کی قبر جیسی بنائیں تاکہ فاطمہ کی قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ تمام چیزیں حضرت فاطمہؑ کی وصیت کے مطابق کی گئیں انیسؒ نے اپنے

مرثیہ میں حضرت فاطمہ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

مہر سپہر عز و شرافت ہے فاطمہ شرح کتاب عصمت و عفت ہے فاطمہ

مفتاح باب گلشن جنت ہے فاطمہ نور خدا و آیہ رحمت ہے فاطمہ

رتبے میں وہ زنان دو عالم کا فخر ہے

حوا کا افتخار ہے مریم کا فخر ہے

حضرت بی بی ام البنینؑ:

نام فاطمہ [۱] کنیت ام البنین [۲] والد کا نام حزام [۳] والدہ کا نام ثمامہ [۴] آپ حضرت علی کی زوجہ ہیں آپ کے چار بیٹے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ ان کے نام (عباس، عبداللہ، جعفر و عثمان)۔

آپ کی ولادت کے بارے میں خطیب مہدی سویج زماں لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ۵ سال کے بعد ہوئی۔ [۵]

مورخین نے ظہور اسلام سے پہلے بھی اس گھرانے کے مردوں کی بہادری و سرداری کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ وہ خاندان ہے جس کی سیادت و شجاعت کے سامنے اس وقت کے بادشاہوں کی گردنیں خم تھیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب عقیل نے حضرت علی سے کہا تھا۔

''عربوں میں ام البنین کے اجداد سے زیادہ شجاع و ساوت کوئی گھرانہ نہیں''۔ حضرت علی بی بی فاطمہ کی وفات کے بعد بے حد رنج وملول تھے۔ آپ نے اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب سے کہا کہ میں ایک بے حد بہادر اور جری خاندان میں عقد کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس سے جو بیٹا ہو وہ میرے حسین کا ساتھ دے سکے۔ [۶]

۱۔ ستارہ درخشاں مدینہ صفحہ ۱۱
۲۔ مروج الذھب جلد ۳ صفحہ ۳
۳۔ بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۷
۴۔ مقاتل الطالبین صفحہ ۸۲
۵۔ تنقیح المقال جلد ۳ صفحہ ۹۰
۶۔ ریاض القدس جلد ۲ صفحہ ۲۶

جناب عقیلؑ نے جو انساب عرب سے واقف تھے حضرت علیؑ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولے اے علیؑ آپ ام البنین کلابیہ کے ساتھ عقد کرلیں اس لیے کہ اس کے آبا و اجداد سے زیادہ شجاع اور بہادر کوئی نہیں''۔

حضرت عقیل حضرت علی کا پیغام لے کر ام البنین کے والد کے پاس گے انہوں نے قبول کیا اس طرح بی بی ام البنین حضرت علیؑ کے گھر بیاہ کر آ گئیں۔ علامہ قزوینی رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت ام البنین نے حضرت علی کے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی کو بوسہ دیا اور داخل حجرہ ہو کر سب سے پہلے حضرت امام حسن و امام حسین کو جو بیمار تھے اٹھا کر بٹھایا اور دونوں کے گرد تین دفعہ قربان ہوئیں پھر منہ چوما (زلفیں سونگھیں) اور رو کر عرض کی، اے آقا زادو مجھے اپنی کنیزی میں قبول کرو۔ میں تم پر نثار، میں تماری خدمت کے لیے آئی ہوں۔ تمہارے کپڑے دھوں گی اور بدل و جان تمھاری خدمت کروں گی۔ تم مجھے اپنی خدمت کے لیے قبول کرو''(۱)

تاریخ کامل میں ہے کہ نعمان بن بشیر نے اہل بیت کو مدینہ پہنچا دیا۔ کتاب آئین و ناسخ التواریخ میں ہے کہ یہ حضرات مدینے سے باہر ایک مقام پر ٹھہر گئے روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب اہل مدینہ کو آمد کی خبر ملی تو سب چھوٹے بڑے استقبال کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔

علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ سنانی سنتے ہی حضرت ام البنین جو فاطمہ صغریٰ کی تیمارداری کی وجہ سے کربلا نہ گئی تھیں۔ اس مقام کی طرف دوڑیں جہاں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا اور آپ انتہائی اضطراب کے عالم میں امام حسین سے والہانہ محبت کے ماتحت صرف امام حسین ہی کو پکارتی رہیں۔ آپ کو اس وقت حضرت عباس وغیرہ کا خیال تک نہ تھا۔ (۲)

مدینہ منورہ میں سب سے پہلی مجلس ام البنین مادر عباس کے گھر منعقد ہوئی۔ سچ ہے ماں کا دل نہایت ہی نرم و نازک ہوتا ہے۔ جناب ام البنین جس قدر بھی گریہ کرتیں کم تھا۔ ایک تو امام کی مصیبت۔ دوسرے اپنے

۱۔ ام سلمٰی

۲۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۷۸

چار بیٹوں کی بے دردانہ شہادت وہ بیٹے بھی ایسے کہ جن کی نظیر ناممکن، کوئی وفا کا بادشاہ کوئی شجاعت میں بے نظیر، کوئی بہادری میں بے مثل، کوئی فرمانبرداری میں لاجواب یہ وہ اسباب تھے جو جناب ام البنین کو خون کے آنسو رلاتے رہے۔

حضرت عباس کی ماں ام البنین نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جن کو ابوالحسن اخفش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے بطور مرثیہ پڑھے۔

یا من رای العباس کر

علی جماهیر النقد

اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباس کو منتخب اور چیدہ (ٹڈی دل) جماعتوں پر حملہ آور دیکھا۔

ووراہ من ابناء حیدر

کل لیث ذی لبد

اور ان کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت ہے۔

انبئت ان ابنی اصیب   براسہ مقطوع ید

(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگ جاں سے زیادہ عزیز تر فرزند عباس کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے (ہائے کیا یہ سچ ہے)

ویلی علی شبلی اما   ل براسہ ضرب العمد

آہ آہ! میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔

لو کان سیفک فی ید   لک لما دنا منلی احد

اے میرے بہادر بیٹے (خدا کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے نزدیک کوئی پھٹک نہیں سکتا۔ (۱)

۱۔ ابصار العین   صفحہ ۳۲
ومفاتیح الجنان   صفحہ ۵۵۰

مرثیہ ثانیہ:

لاتدعونی ویک ام البنین تذکرینی بلیوث العرین

ہائے اے سرزمین مدینہ کی رہنے والیو (خدا کے لیے) مجھے ام البنین کہہ کر نہ پکارو اس لیے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجوان بیٹے) یاد آ جاتے ہیں۔

کانت بنون لی ادعی بھم والیوم اصبحت ولا من بنین

ارے جب میرے بیٹے تھے تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی۔ مگر افسوس کہ آج میرے کوئی فرزند نہیں ہے۔

اربعة مثل نسود الربی قد و اصلو الموت بقطع الواتین

(دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے تھے، جو (جماعت امام حسین میں) رگ گردن کٹا کر آغوش موت سے ہمکنار ہو گئے۔

تنازع الخرصان اشلائھم فلھم امسی صریعا یعاطعین

ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہوگی کہ بھوک اور پیاس سے ان کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔

یالیت شعری اکما اخبرو بان عباسا قطیع الیمین

اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا۔ کیا سچ مچ (ہمارے پیارے بیٹے) عباس کے ہاتھ شمشیر سے کاٹے گئے۔ (۱)

۱۳ جمادی الثانی ۶۴ ہجری بروز جمعہ کو فضل بن عباسؑ امام زین العابدینؑ کے پاس آئے اور کہا کہ میری جدہ ام البنین نے وفات کی۔ آپ کو غسل و کفن دیا گیا اور قبرستان جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ (۲)

۱۔ مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰

۲۔ ام البنین علیہا السلام نماد از خود گذشتگی صفحہ ۴۴

حضرت شہر بانوؑ

بی بی شہر بانو جو آخری ساسانی بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں اور ان کا اصلی نام جہان شاہ ہے اور بنا بر مشہور آپ شہر بانو کہلاتی ہے۔ امام حسین کی زوجہ اور امام زین العابدینؑ کی والدہ ہیں۔ ولادت ۱۵ جمادی الاول اور شہادت ۲۵ محرم الحرام ۹۵ء ہے۔(۱)

شہادت ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ حضرت شہر بانو جب رخصت ہو کر امام حسینؑ کے گھر آئیں تو آپ کے ساتھ بہت ساری کنیزیں تھیں جن میں سے بہت سی کنیزوں کو بی بی نے آزاد کر دیا۔ ایک کنیز شیریں کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ ایک بار امام حسینؑ نے بی بی شہر بانو سے فرمایا۔

خوش چشم ہے، کس مرتبہ شیریںِ خوش اطوار
اس طرح کی آنکھیں کبھی دیکھی نہیں زنہار

شیریں کی آنکھوں کی تعریف سن کر بی بی شہر بانو نے امام حسینؑ کی کنیز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

اب امام کیا کہتے ہیں:

جو سمجھی ہو تم اس کا مجھے دھیان نہیں ہے
جب تم سی ہو بی بی تو کچھ ارمان نہیں ہے

بی بی شہر بانو نے امام کی یہ محبت بھری باتیں سنیں تو کیا حال ہوا

بانو نے سنی جب شہ والا کی یہ گفتار
خوش ہو کے پھری گرد محبت سے کئی بار

اس کے بعد بی بی شہر بانو نے شیریں کو آزاد کر دیا لیکن آزاد ہونے کے بعد شیریں کا کیا حال تھا انیس نے اسے اس طرح نظم کیا۔

---

(۱)۔ علی ابن الحسین

مولا کے نہ قدموں سے جدا ہوتی تھی شیریں

نعلین سے منہ ملتی تھی اور روتی تھی شیریں

آل نبیؐ کا گھرانہ ایسا تھا کہ جو ایک بار اس در سے وابستہ ہو جاتا پھر وہ کبھی اس در سے جدا ہونے کو تیار نہ ہوتا تھا۔شیریں کا بھی یہی حال تھا۔

کہتی تھی یہ جانا ہے جہاں سے مرا جانا ان قدموں سے چھوٹی تو کہاں میرا ٹھکانا

فرماتے تھے شبیر کہ یہ دھیان نہ لانا ہم آئیں گے اک ایسا بھی ہووے گا زمانا

کہہ کر نہ کریں اپنا یہ دستور نہیں ہے

نزدیک ہے تو دل سے تو کچھ دور نہیں ہے

شیریں اپنے شوہر کے گھر بیاہ کر چلی تو گئی مگر اس کو ہمیشہ امام کے وعدے کا خیال آتا اور وہ اکثر اپنے شوہر کو اس راہ پر بھیجتی جس سے دوسرے شہروں کے لوگ داخل ہوا کرتے تھے۔امام حسینؑ شہید ہو گے اور عدو سر حسینؑ کو لے کر اپنی منزلیں طے کرتے رہے جب دو چار منزلیں طے کر چکے اور ایک جا دوراہا نظر آیا تو سر شاہ نیزے پہ رک گیا۔عابد بیمار کو معلوم تھا کہ میرے بابا قول کے پکے ہیں اس لیے آپ نے فرمایا۔

اعجاز ہوا یہ جو سر سبط نبیؐ سے

اس راہ میں مہمانی کا وعدہ ہے کسی سے

شیریں کے شوہر نے قافلہ کی آمد کی خبر سنی تو شیریں کو بتایا۔تیرے آقا آ رہے ہیں۔مگر جب وہ قافلے کے پاس گیا تو شہدا کے سر اور بے مقنعہ و چادر خواتین کو دیکھا جب اسے معلوم ہوا کہ امام مظلوم قتل کر دیئے گے بیبیاں اسیر ہیں تو اس نے شیریں کو خبر دی کہ

بھیجا تھا جہاں تو نے وہ لشکر ہے شقی کا

سر کاٹ کے لائے ہیں حسینؑ ابن علی کا

شیریں نے یہ سخن سنے تو سینہ و سر پیٹ لیا اب اس منظر کو انیس نے اس طرح پیش کیا۔

تو منتظر اب کس کی ہے کون اے گا بی بی　　عابد ہے سو بیمار ہے رانڈیں ہیں سو قیدی

شیریں نے کہا پیٹ کے سرکوٹ کے چھاتی　　ہَے ہَے مرے سید مرے آقا والی

لٹوا کے گھر اور تیغ سے کٹوا کے سر آئے

فرمایا تھا آؤ گا سو یوں میرے گھر آئے

حضرت ام لیلیٰؑ

"بی بی ام لیلیٰ جو بیٹی تھیں ابو مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی کی"(۱)

جناب ام لیلیٰ بڑے شریف اور معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ ان کے والد عروہ مکہ کے ان دو بڑے آدمیوں میں سے ایک تھے جن کے متعلق قریش کے قول کی قرآن مجید نے حکایت کی ہے"

لو لا انزل هذا القران علی رجل من القریتین عظیم

کیوں نہیں یہ قران دونوں قریوں کے کسی بڑے آدمی پر نازل ہوا۔

ان دو بڑے قریوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور دوسرا بڑا آدمی ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو اپنی شان و شوکت اور عزت و وجاہت کی بنا پر وحید کے لقب سے مشہور تھا۔ جناب ام لیلیٰ کے باپ ابو مرۃ عہد رسولؐ میں پیدا ہوئے رسولؐ اللہ کی صحبت کے شرف سے بھی مشرف رہے۔

آپ کربلا میں موجود تھیں آپ کے صاحبزادے علی اکبر جو ہمشکل پیغمبر تھے اور امام ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ روز عاشور امام حسینؑ نے حضرت علیؑ اکبر سے اذان دلوائی مگر وہ ان کی آخری اذان ثابت ہوئی۔

"جناب علی اکبرؑ جس وقت عازم میدان کارزار ہوئے تو اپنے پدر مظلوم سید الشہداء کو اپنی مادر گرامی حضرت ام لیلیٰ کے بارے میں وصیت کی کہ بابا میری ماں خاندان نبوت میں سے نہیں ہے۔ اے بابا میرے مرنے کے بعد اس پر بہت مہربانی کرتے رہیے گا اور اس کی تسلی کرتے رہنا اور ہمیشہ اس کی دلداری کرنا اس کو میرا فراق از حد شاق اور دشوار گزرے گا۔

میری مصیبت میں اس کی تسلی کرنا کیونکہ میری موت اس پر بہت کچھ اثر کرے گی یہاں تک کہ میرے بعد وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے گی"۔(۲)

اور جب بکر ابن غانم سامنے آیا تو امام حسینؑ کے چہرے کا رنگ یک لخت زرد پڑ گیا۔ امام نے کہا میں نے

۱۔ اصابہ جلد ۳ صفحہ ۴۱۲

۱۔ ذریعۃ نجات فی یوم العرصات صفحہ ۳۰۲

اپنے نانا سے سنا تھا کہ ماں اگر بیٹے کے حق میں دعا مانگے تو اللہ کبھی رد نہیں کرتا۔ میری خواہش ہے کہ تو دعا مانگ اس کے ہاتھوں اکبر شہید نہ ہوں۔ جناب ام لیلیٰ خیمہ کے اندر گئیں سر سے چادر اتاری اور یوں دعا مانگی۔

یا راد یوسف علی یعقوب من بعد الفراق و جاعله فی الدهر مسروراً یا رادو اسمٰعیل الی هاجر الٰهی بعطش ابی عبدالله. الهی بعزة ابی عبدالله امنق برادایتی.

ترجمہ:۔ ''اے جدائی کے بعد یوسف کو یعقوب کے پاس لا کر اسے خوشی دینے والے اللہ۔ اسے اسمٰعیل کو ہاجرہ کے پاس لانے والے رب کریم۔ اے اللہ! تجھے لال زہرا کی پیاس کا واسطہ، اے اللہ تجھے فرزندِ رسول کا واسطہ مجھ پر میرے پارہ جگر کے واپس آنے کا احسان فرما''۔ (۱)

۱۔ معالی السبطین فی احوال الحسن و حسین حصہ اول صفحہ ۲۱۱

بی بی ربابؑ

بی بی رباب امام حسینؑ کی زوجہ تھیں۔ آپ کی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھیں ہر طرف سے عزت اور دولت میسر آئی۔ وہ اپنے والدین کی طرف سے بھی معزز و ممتاز تھیں۔ ان کے والد امرالقیس کی حیثیت ایک قائد اور سردار قبیلہ کی تھی۔ ان کا شمار اس عہد کے مشہور و معروف لوگوں میں ہوتا تھا۔

حضرت امام حسینؑ کی تینوں ازواج حضرت شہر بانو، لیلیٰ اور رباب میں سب سے زیادہ حضرت رباب نے عمر پائی۔

معتبر روایات سے ازواج امام حسینؑ میں سے سوا حضرت رباب کے کسی کا واقعہ کربلا میں شریک ہونا معلوم نہیں ہوتا غالباً اس وقت امام کی دوسری بیبیاں انتقال کر گئی تھیں۔

''حضرت رباب جس گھر میں آئیں اس میں انہیں مختلف درجہ کے لوگوں سے سابقہ پڑا۔ ان کے ساتھ بی بی شہر بانو بھی تھیں اور جناب لیلیٰ بھی۔ بنی ہاشم کا خاندان قریش کی ایک سرسبز و شاداب شاخ تھا اس میں مختلف صلاحیتوں کی عورتیں تھیں۔ بزرگوں میں ام سلمیٰ وام البنین، حضرت فضہ ان سب کے سامنے اپنی نیک دلی کی وجہ سے سب کی نظروں میں عزیز رہیں۔ امام حسینؑ کی کسی بیوی کے متعلق کوئی جھوٹی روایت بھی نہیں پیش کرتی جس نے اپنے ساتھیوں میں کبھی کوئی چشمک کی ہو''۔ (۱)

جناب رباب کے بطن سے شادی کے کافی عرصے کے بعد فاطمہ بنت الحسین تولد ہوئیں اور پھر ۳،۴ سال کے بعد حضرت علی اصغر پیدا ہوئے۔ (۲)

یوں تو مدینہ کی زندگی میں بھی حضرت رباب کے متعلق کچھ زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں لیکن مدینے سے کربلا اور کوفہ و شام کے ہولناک واقعات میں بھی وہ خاموش ہی رہیں۔ حضرت رباب فطرتاً کم سخن تھیں۔ مدینے

۱۔ حضرت ربابؑ صفحہ ۳۰

۲۔ حضرت ربابؑ صفحہ ۴۶

سے شام تک کے سفر میں ایک اور خاص بات ان کے پیش نظر رہی ہوگی۔

اس سفر میں خواتین کی قیادت ثانی زہرا حضرت زینبؑ فرما رہی تھیں۔ جناب رباب اگر چہ فاطمۃ الزہرا کی وفات کے کافی عرصے بعد اس ماحول میں آئیں اور جناب زینبؑ امام حسینؑ سے عمر میں چھوٹی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رباب ثانی زہرا کو جناب سیدہ کی جگہ پر سمجھتی تھیں اور ان کی پیروی وہ اپنی سعادت جانتی تھیں۔ سفر کی ہولناکی سے حضرت رباب کا دل روتا اور آنکھیں اشکبار رہتی تھیں لیکن وہ منہ سے کچھ نہ کہتی تھیں۔

۲ محرم ۶۱ ھ کو جب حسینی قافلہ کربلا پہنچا اور امام نے شہادت کی خبر دی تو سب ہی متاثر ہوئے۔ خصوصاً مخدرات عصمت نے اس سے کافی اثر لیا۔

امام نے خواتین میں سے جن کا نام لے لے کر تلقین صبر کی ہے ان میں حضرت رباب کا نام بھی شامل ہے''[1]

بی بی رباب کے بچے کو جب تین بھال کے تیر سے شہید کر دیا گیا تو آپ نے انتہائی تحیر سے فرمایا امثــلک تخسَر کیا تیرا ایسا بچہ بھی نہر کیا جاتا ہے۔

حضرت رباب کے چند اشعار کتاب الدغانی (جلد ۱۴ ص ۱۵۸) میں لکھے جنھیں محمد خضری مصری نے کتاب تہذیب الاغانی (جلد ۷ ص ۲۲) میں بھی نقل کیا ہے۔

ان الذی کان نوراً یستضادیں بکربلا تنیلا غیر معنون

وہ نور جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ کربلا میں قتل کیا ہوا بغیر دفن کے پڑا ہے۔

سبط النبی جداک اللہ صالحۃ عنّا و جنت خران المولزین

اے رسول کے نواسے اللہ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے آپ میزان کے نقصان سے محفوظ ہیں۔

قو کنت لی حیلاً صعیاً الوزیہ و کنت تصجنا بالرحم والدین

آپ میرے لیے مستحکم پہاڑ تھے جس میں، میں پناہ لیتی تھی۔

من للیتانی و من للیسائلین و فی یعنی رویا اللہ کل مسکین

واللہ لا اتبعی صھاً بعھ کم حتی اُغیبُ بین المرمل والطین

۱۔ لہوف از ابن طاوس متوفی ۶۶۴ ھ

ترجمہ: آپ ہم سے دین اور قرابت کے نقطہ نظر سے پیش آتے تھے اب یتیموں اور پریشاں حالوں کا کون پوچھنے والا ہے مسکین اب کس کی پناہ ڈھونڈھیں بخدا میں جب تک زندہ ہوں آپ کے بعد کسی سے قرابت پسند نہ کروں گی۔

حضرت زینبؑ

شہزادی زینبؑ (۱) نام زینب الکبریٰ اور آپ یکم شعبان کو ۵ ہجری میں پیدا ہوئیں آپ کے القابات میں عقیلہ بنی ہاشم عالمہ غیر معلّمہ، عابدہ، زاہدہ، محدثہ، شجیعہ، الفصیحہ والبلیغۃ، عقیلۃ القریش، عصمت صغریٰ، نائبۃ الزہرا، ام المصائب، مظلومہ کربلا ہیں۔

آپ کے نانا آنحضرتؐ، نانی خدیجۃ الکبریٰ، باپ حضرت علیؑ اور ماں فاطمۃ الزہراؑ، بھائی امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور بہن ام کلثومؑ آپ کے دادا حضرت ابو طالبؑ اور دادی فاطمہ بنت اسدؑ تھیں یہ آپ کی خاندانی عزت ۱۱ھ جب آپ کی عمر ۵ سال کی تھی تو نانا کا سایہ سر سے اٹھ گیا اسی سال ۱۱ ہجری کو ماں کا سایہ رحمت بھی سر سے اٹھ گیا۔

جب بی بی زینبؑ نے سن بلوغت میں قدم رکھا تو بنی ہاشم کے بعض جوانوں نے آپ سے عقد کی درخواست لیکن حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن جعفر کے سوا کسی کو پسند نہ فرمایا کیونکہ جود و کرم میں عبداللہ بن جعفر کے علاوہ جناب زینبؑ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ یہ حضرت عبداللہ ہی تھے جن کی بخشش و عطا مدینہ میں ضرب المثل بن چکی تھی۔ آپ کا دروازہ فقراء و مساکین اور حاجت مندوں کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ لوگ آپ کو بحر الجود کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ شہزادی زینب کا نکاح مسجد نبوی میں حضرت عبداللہ کے ساتھ حضرت علی نے پڑھایا اور دو شرائط رکھیں۔

(۱)۔ میری اس بیٹی کو اپنے بھائی حسین کے ساتھ بہت محبت اور وابستگی ہے لہٰذا تم اس کو ہر روز ایک مرتبہ بھائی سے ملنے کی اجازت دیا کرو گے۔ کیونکہ یہ دن اور رات میں جب تک بھائی کو دیکھ نہ لے اس کے دل کو چین نہیں آتا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جب کبھی حسینؑ کوئی سفر اختیار کرے اور زینبؑ کو ساتھ لے جانا چاہے تو تم حسین کے ساتھ سفر پر جانے سے منع نہ کرو گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ کے سفر کربلا کے موقع پر جناب عبداللہ نے بہن کو بھائی کے ساتھ جانے سے منع نہیں کیا تھا۔

۱۔ زینب عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں زیادہ رونے والی

حضرت زینب کے بطن مبارک سے پانچ اولادیں ہوئیں ۔علی، عباس، عون اور محمد چار فرزند اور ایک دختر جس کا نام کلثوم ہے اپ کے دو بیٹے عونؑ اور محمدؑ کربلا میں شہید ہوئے ۔

مورخ نیشاپوری نے اپنی تالیف (زندگانی بانوی قہرماں داستان کربلا) میں بعض مورخین سے نقل کیا ہے کہ جناب زینب علیہا فصاحت و بلاغت، پارسائی اور عبادت میں...... پدر بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ و مادر گرامی جناب فاطمہ زہراؑ کی مانند تھیں ۔

بہر جندی مرحوم نے ''کبریت احمر'' میں برخی کے مقاتل معتبرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی بن الحسینؑ نے فرمایا کہ امّ جناب زینب الکبریٰ نے کربلا سے شام تک پیش آنے والی تکالیف اور مصائب کے باوجود نماز اور نوافل شب ترک نہیں کیے ۔

شہزادی زینبؑ نے تمام عمر میں سات تاریخی سفر کیے پہلا سفر مدینہ سے کوفہ دوسرا کوفہ سے واپس مدینہ، تیسرا مدینہ سے مکہ، چوتھا مکہ سے کربلا پانچواں کربلا سے شام، چھٹا شام سے مدینہ ساتواں اور آخری سفر مدینے سے شام۔

کربلا کے سفر میں آپ امام کے ساتھ تھیں ۔ بھائی بہن ایک دوسرے کو حسرت سے تک رہے تھے اور امام بی بی زینبؑ کو تسلیاں دے رہے تھے ۔ بی بی زینبؑ نے اپنے دو بیٹے قربان کر دیئے مگر بھائی کو نہ بچا سکیں ۔مگر جب علی اکبرؑ جو امام کے بیٹے تھے اور بی بی زینبؑ نے انہیں پالا تھا اور بے حد محبت کرتی تھیں شہید ہو گئے تو آپ بے اختیار خیمے سے باہر آئیں اور فرمایا۔

واولداه و امهجة قلباه یالیتنی کنت قبل هداالیوم عمیاه او کنت و سدت تحت اطباق الثریٰ''

ہائے بیٹا ہائے میرے دل کے ٹکڑے کاش میں پہلے ہی اندھی ہو جاتی اور یہ دن نہ دیکھتی ۔

جب امام آخری رخصت کے لیے بہن کے پاس آئے اور لباس کہنہ طلب کیا تو آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے آپ نے سسکیاں لیتے ہوئے عرض کیا۔

''یا اخی تووح و اختک غریبة بلا محرم و انیس و ناصر''

اے بھائی! اپنی بہن کو بغیر کسی محرم و مونس اور بلا کسی ناصر و فریادرس کے عالم غربت میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔

بہن کی آہ و بکا کو دیکھ کر ایک مرتبہ پھر آپ کو تسلی دی، صبر و تحمل کی تلقین فرمائی اور پھر آپ نے کہا ''اے زینب، اے ام کلثوم، اے سکینہ اور ام رباب و فضہ تم سب پر میرا آخری سلام ہو''۔

وقت عصر امام کا سر نوک نیزہ پر بلند ہو گیا اس وقت امام زین العابدینؑ نے پھوپھی کو صبر کی تلقین کی اور صبر و استقامت سے کام لینے کو کہا۔

امام کا سر جدا ہونا تھا کہ لاشوں کو پامال کیا گیا۔ خیموں کو لوٹ لیا گیا گوشوارے اس طرح اتارے گئے کہ کان لہولہان ہو گئے۔ سید سجاد کو بستر سے فرش پر گرادیا گیا۔ نوک نیزہ سے خواتین کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں اور خیموں کو آگ لگا دی گئی۔

امام حسینؑ کا امتحان ختم ہوا اور بی بی زینبؑ کا امتحان شروع ہو گیا جس میں بی بی ام کلثوم برابر کی شریک تھیں۔ بچوں کو جلتے ہوئے خیموں سے نکالنا ایک جگہ بٹھا کر پہرہ دینا۔

بی بی اُمِ کلثومؑ

۹ ہجری میں بی بی ام کلثوم کی پیدائش ہے۔ جب آپ پیدا ہوئیں تو آپ کا نام زینب صغریٰ رکھا گیا لیکن آپ اپنی کنیت ام کلثوم سے مشہور ہیں۔ ''کلثوم کے معنی ہیں جھنڈے کے سرے پر ریشم کا ٹکڑا''۔ (۱)

علم کے پھریرے کو کلثوم کہتے ہیں آپ کے القابات میں تقیۃ النقیہ، داعیۃ الخفیہ، راضیۃ المرضیہ، سیدۃ الذکیہ، شریکۃ المصائب، عبداللہ الحسین، صاحبۃ المصیبۃ، صابرہ، مظلومہ، مھمومۃ، مغمومۃ، مکروبتہ شامل ہیں۔

''حضرت ام کلثوم کا عقد عون بن جعفر سے جناب رسول خدا کی وصیت کے مطابق ہوا''۔ (۲)

بی بی ام کلثوم نے بھی اپنے بابا کو مسجد میں اپنے ہی خون میں نہائے ہوئے دیکھا، ماں، باپ کے صدمے برداشت کرنے کے بعد اپنے بھائی امام حسنؑ کو زہر ہلاہل سے شہادت کا رتبہ پانا اور پھر ان کے جنازے پر تیروں کا چلانا دیکھا۔ یہ سب واقعات ایک بہن کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھے۔ مگر اس مثالی خاتون نے سب سے زیادہ رنج وغم کربلا کے میدان میں اٹھائے۔ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد حضرت علیؑ اصغر شہید ہوئے۔ جب امام حسین نے علی اصغر کی لاش ام کلثوم کو دی تو حضرت ام کلثوم روتی جاتی تھیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔

لهف قلبی علی الصغیر انطامی قطمة السهام قبل الفطام

ترجمہ: میرا دل اس پیاسے اور خوردسال بچے کی (حالت) پر بڑا افسوس کر رہا ہے جس کو دودھ چھوڑنے سے پیشتر ہی (ظالموں کے) تیروں نے شہید کر دیا۔

غر غروه بدمه وهو طفل لصف قلبی علیه فی کل عام

ترجمہ:۔ ان ظالموں) نے اس کو لہو کی کلیاں کرا دیں حالانکہ وہ بچہ ہے میرا دل ہمیشہ اس پر افسوس کرتا رہے گا۔''(۳)

۱۔ المجید صفحہ ۸۹

۲۔ تنقیح المقال جلد اول صفحہ ۲۱۸

۳۔ نورالعین فی المشھد الحسین صفحہ ۵۶

جب امام آخری رخصت کے لیے خیمے میں آئے تو بی بی زینب اور ام کلثوم کے ساتھ اپنی بیٹی سکینہ کو آخری سلام کیا اور پھر آپ جناب ام کلثومؑ کی طرف بڑھے اور ان سے فرمایا ''اے پیاری بہن میں تجھے تیری ذات کے بارے میں خیر و بھلائی کی وصیت کرتا ہوں''۔ (۱)

جب امام کا گھوڑا شہادت امام حسین کی خبر لے کر خیمہ کی طرف آیا تو جناب ام کلثوم نے دونوں ہاتھ اپنے گھوڑے کے گلے میں ڈال دیئے اور فرمایا۔ **وھی تقول ایھا الجواد این کھفی واخی الحسین این سیدے و ملجائی سید الخافقین.**

ترجمہ: اے گھوڑے تو میرے بھائی اور میرے وارث اور سردار کونین کو کہاں کھو آیا'' شہادت امام کے بعد دونوں بہنوں یعنی جناب زینب اور ام کلثوم نے امام کی وصیت کے مطابق بچوں کا خیال رکھا انہیں جمع کیا اور بچے جو سہم کر ادھر ادھر ہو گئے تھے ان کو تلاش کیا''۔ (۲)

بی بی ام کلثوم نے بے کجاوہ اونٹوں پر بیبیوں کو سوار کروایا اور سب سے آخر میں خود سوار ہوئیں بی بی ام کلثومؑ نے بازار کوفہ میں خطبہ دیا آپ نے آواز گریہ بلند کر کے فرمایا۔

''اے اہل کوفہ برا ہو تمھارا تمھیں کیا ہو گیا کہ تم نے حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اور انہیں شہید کیا اور ان کا مال لوٹا اور اپنے آپ کو اس کا وارث بنالیا اور ان کی خواتین قید کیں۔ اور آنجنابؑ کی سرکوبی کی پس ہلاکت و نابودی ہو تمہارے لیے ویل و ہلاکت ہو تمھارے لیے تم جانتے ہو کہ کون سے مصائب اپنے اوپر ڈھائے ہیں تم نے اور کونسا بوجھ گناہوں کا اپنی پشتوں پر لادا ہے اور کیسے خون تم نے بہائے ہیں اور کونسی شریف زادیوں کو تم نے قید کیا اور کون سے بچوں کو تم نے لوٹا اور کون سے مال تم نے چھینے تم نے پیغمبر کے بعد بہترین مردوں کو شہید کیا اور تمہارے دلوں سے رحمت و نرم دلی چھین لی گئی یاد رکھو کہ اللہ کا حزب و جماعت ہی کامیاب و کامران ہے اور شیطان کا حزب و جماعت خسارے اور نقصان میں ہے''۔ (۳)

۱۔ نفس المھموم صفحہ ۳۸۰
۲۔ ارشاد صفحہ ۲۰۱
۳۔ سراج غم المھموم صفحہ ۲۵۹

جب شہزادی ام کلثوم مدینے آئیں اور روضہ رسولؐ پر حاضری دی تو آپ کی گریہ وزاری کی صداؤں سے مدینہ گونج اٹھا پھر آپ دختر حسینؑ جناب فاطمہ صغریٰ سے ملیں شہزادی ام کلثوم شہادت امام حسینؑ کے بعد زیادہ عرصے سے حیات نہیں رہیں۔

صاحب ریاحسین الشعریہ نے ذکر حضرت زینبؑ وام کلثومؑ میں لکھا ہے کہ ۶۲ھ میں اہلبیتؑ نبوی مدینے واپس آئے تو چار ماہ اور بیس دن بعد ۲۱ جمادی الثانی کو حضرت کلثوم کی وفات ہوئی''۔ (۱)

۱۔ ریاحسین الشریعہ جلد ۳ صفحہ ۳۰

حضرت فاطمہ کبریٰؑ

شہزادی کبریٰ کا نام ان کی پردادی کے نام پر ''فاطمہ'' رکھا گیا۔ آپ حضرت امام حسین کی بڑی صاحبزادی تھیں اس لیے فاطمہ کبریٰ کہلائیں۔ آپ کی ولادت کے بارے میں کسی مورخ نے یقینی یا واضح طور پر نہیں لکھا۔ مولانا سید محمد حیدر صاحب (کجھوہ بہار) کے مطابق ''آپ ۵۱ ھ ہجری کے آخر میں پیدا ہوئی ہوں گی'' یعنی ۶۱ ھ میں شہزادی کبریٰ کی عمر تقریباً ۹ برس کے قریب تھی۔

حضرت امام حسن کی وصیت جو انہوں نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام کلثوم کو فرمائی۔

''اے خواہر نامدار اور یادگار بزرگوار میرے بیٹے قاسم کو حاضر کرو، حضرت ام کلثوم نے جناب قاسم کو بلایا تو امام حسنؑ نے انہیں سینے سے لپٹا کر ان کے چہرے پہ چہرہ رکھ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا بعدازاں جناب قاسمؑ کا ہاتھ امام حسینؑ کے ہاتھ میں دے کے فرمایا میں آپ کی صاحبزادی کے لیے قاسم کو نامزد کرتا ہوں وقت آنے پر اسے اس کے سپرد کر دینا اور اس پر ہمیشہ باپ کی مشفقانہ نگاہیں رکھنا۔''(۱)

اور پھر جب میدان کربلا میں شہزادہ قاسم تعویذ اپنے چچا امام حسینؑ کے سامنے لے کر آئے تو امام حسینؑ تا دیر گریہ کرتے رہے اور پھر فرمایا یہ وصیت تمھارے پدر نے تمھیں فرمائی تھی جو وصیت مجھے کی تھی اسے اب میں پورا کرتا ہوں''(۲)

کربلا کے میدان میں سب کو اذن جہاد ملا مگر امام حسینؑ حضرت قاسم کو اذن کارزار عطا نہیں کر دے رہے تھے۔ حضرت قاسم خیمہ میں تشریف لائے اور زانوئے اندوہ پہ سر رکھ دیا اچانک انہیں یاد آیا کہ ان کے والد محترم نے ان کے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور فرمایا تھا کہ جس مقام پر تجھے بہت زیادہ اندوہ و غم کا سامنا کرنا پڑے

۱۔ روضۃ الشہداء جلد اول صفحہ ۴۲۹، ۴۳۰

۲۔ ترجمہ صائم چشتی نمبر ۲ منتخب صفحہ ۶۱

اور تجھ پر بے شمار ملال غالب آ جائیں تو اس تعویذ کو کھول کر پڑھنا اور جو اس پر لکھا ہوا بس اس پر عمل کرنا۔

پس آپ نے اس تعویذ کو بازو سے الگ کیا۔ دیکھا کہ حضرت امام حسن نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھا ہے !جب تو میرے بھائی اور اپنے چچا امام حسینؑ کو دھوکے باز شامیوں اور بے وفا کوفیوں کے درمیان صحرائے کربلا میں گھرا ہوا دیکھے فوراً اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دینا اور اپنی جان ان پر نثار کر دینا۔ (۲)

حضرت قاسم دوڑتے ہوئے چچا کے پاس پہنچے اور اس بوسیدہ خط کو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ جب امام نے اس خط کو دیکھا تو ایک آہ بھری اور زار و قطار روئے پھر آپ نے فرمایا۔ اے جان عم یہ تیرے ابا جان کی وصیت ہے اور تو چاہتا ہے کہ اس پر عمل کرے جب کہ انہوں نے تیرے بارے میں دوسری وصیت مجھے کی ہے اور میں بھی اسے بجالانے کا ارادہ رکھتا ہوں ایک ساعت خیمے کے اندر جا کر وصیت پوری کروں گا پس آپ حضرت قاسم کا ہاتھ پکڑ کر خیمے کے اندر گئے اپنے بھائی حضرت عباسؑ اور حضرت عونؑ کو بلا کر جناب قاسم کی والدہ سے فرمایا کہ وہ قاسم کو نئے کپڑے پہنائیں آپ نے حضرت امام حسینؑ کی زرہ نکالی اپنا قیمتی لباس قاسم کو پہنایا خوبصورت دستار نکال کر اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر باندھی اور اپنی صاحبزادی جو کہ حضرت قاسمؑ سے منسوب تھیں کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے قاسم یہ تیرے باپ کی امانت ہے جس نے تیرے لیے وصیت کی ہے۔ پس آپ نے اپنی صاحبزادی بی بی کبریٰ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور حضرت قاسمؑ کا ہاتھ بی بی کبرا کے ہاتھ میں دے کر خیمہ سے باہر آ گئے۔ (۳)

اسی وقت لشکر ابن سعد سے آواز آئی کہ کیا کوئی اور مقابلہ کرنے والا ہے اور حضرت قاسم میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں تک کہ شہادت پائی بی بی کبریٰ کا صرف عقد ہوا تھا اس لیے کوئی اولاد ہونے کا سوال نہ تھا۔

بعد امام حسینؑ کربلا کی خواتین پر جو غم ناک اور الم ناک واقعات گزرے ان میں بی بی کبرا سے یہ روایت

۱۔ ہماری شہزادی۔ محمود نسرین صفحہ ۱۵۲

۲۔

بیان کی جاتی ہے کہ جب انہیں اسیر کر کے کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جارہا تھا تو آپ نے تماشائیوں کے سامنے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک طویل خطبہ پڑھا جس میں راز شہادت، اہلبیتؑ کے مراتب اور کوفے والوں کی گمراہی کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا۔ آپ کی تقریر میں اتنا سوز و گداز تھا کہ در و دیوار سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ (۱)

بیشتر خواتین کی طرح آپ کی وفات کا بھی سال دستیاب نہ ہو سکا۔

۱۔ انوار خمسہ صفحہ ۵۸۳، ۵۸۶

۱۔ ریاض القدس و انوار خمسہ

۱۔ انوار العلویہ طبع نجف اشرف صفحہ ۱۰۶

۴۔

۵۔

حضرت فاطمہ صغریٰ ؑ

''آپ امام حسینؑ کی صاحبزادی تھیں آپ کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبداللہ تھیں''۔ (۱) آپ اپنی دادی حضرت فاطمۃ الزہرا سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں۔ (۲)

جب امام حسینؑ مدینے سے کربلا کا سفر کر رہے تھے اس وقت آپ بیمار تھیں۔ اس وقت حضرت فاطمہ صغریٰ نے اپنی پھوپھی اور بہنوں سے کہا کہ آپ سب سفر پر جا رہے ہیں مجھے کس پر چھوڑ کر جائیں گے۔ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلیں'' اس وقت صدائے گریہ بلند ہوگئی یہ آواز سن کر امام حسینؑ اپنی بیمار بیٹی کے پاس تشریف لائے اور انہیں حجرے میں لے گئے اور صبر کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد ان کے آنسو پونچھے اور قافلہ سفر پر روانہ ہوگیا۔ (۳)

''امام حسینؑ نے فاطمہ صغریٰ کو ام المومنین حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا تھا'' (۴)

امام حسینؑ نے جاتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ ''اے فاطمہ صغریٰ'' اگر کوفیوں نے بے وفائی نہ کی اور حالات سازگار رہے تو میں تمھارے بھائی علی اکبر کو مدینے بھیجوں گا اور تمھیں اپنے پاس بلا لوں گا''۔ (۵)

جب امام حسینؑ کو سفر میں کئی دن گزر گئے اور کوئی خبر نہ آئی تو حضرت فاطمہ صغریٰ نے آپ کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''بابا کب تک آپ کے تشریف لانے کا انتظار کروں۔ حضرت زینبؑ، حضرت ام کلثومؑ، حضرت رباب و حضرت لیلیٰ کو سلام پہنچے اور بہن سکینہ کو دعا پیار اور علی اصغر کو دعا پیار ہو''۔ (۱)

مگر افسوس کہ اس وقت سب درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے اور کچھ ہی دیر بعد امام حسینؑ کی بھی شہادت ہوگئی۔

۱۔ ارشاد صفحہ ۲۶۹
۲۔ ارشاد صفحہ ۲۰۱
۳۔ ریاض القدس صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹
۴۔ ریاض القدس جلد دوم صفحہ ۲۶۷
۵۔ ریاض القدس صفحہ ۲۶۶
۶۔ مقتل الاسلام مطبوعہ نولکشور لکھنو

جب امام سفر پر جا رہے تھے اور بی بی صغرا کو ساتھ نہیں لے جا رہے تھے اس وقت فاطمہ صغریٰ نے کہا تھا۔

اس وقت محبت مری ہو جائے گی حالی　　جب راہ میں خط پڑھ کے کہیں گے شہ عالی

لو مر گئی کنبے کی تھی جو چاہنے والی　　آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہوگیا خالی

قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر میں

وہ قبر میں سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر میں

سکینہ بنت الحسینؑ

حضرت سکینہ بنت الحسین بروز عید مباہلہ بتاریخ ۲۴ ذی الحجہ ۵۶ ھ کو مدینہ منورہ میں متولد ہوئیں۔ اور جس وقت آپ اپنی مادر گرامی رباب کے ہمراہ کربلا کے سفر پر روانہ ہوئیں اس وقت آپ کی عمر ۳ سال ۷ ماہ، ۴ یوم کی تھی اور آپ کے بھائی علی اصغر کل ۱۸ دن کے تھے''۔ (۱)

امام حسینؑ کی طرف سے سکینہ کا نام ''فاطمہ'' اور رباب کی طرف سے ''رقیہ'' تجویز ہوا۔ سکینہ آپ کا لقب تھا اور اسی لقب سے مشہور ہوئیں''۔ (۲)

یوں تو امام حسینؑ اپنی ہر اولاد سے بے پناہ محبت کرتے تھے مگر خصوصی طور پر اپنی سب سے چھوٹی بیٹی جناب سکینہ سے ان کی محبت مثالی تھی۔

امام حسینؑ کو بی بی سکینہ سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایات سے لگایا جا سکتا ہے'' سکینہ کی ولادت کے بعد امام حسینؑ نے شب عاشور تک اس بچی کو اپنے سینے سے جدا نہیں کیا''۔ (۳)

تزکرۃ الصالحین جلد دوم میں ہے کہ

'' حضرت سکینہ کی آرام گاہ ان کے باپ کا سینہ تھا جب تک وہ اپنے پدر بزرگوار کے سینے پر سوتی نہیں تھیں انہیں نیند نہیں آتی تھی''۔ (۴)

جب امام حسینؑ آخری رخصت کے لیے خیمے میں آئے تو اک کہرام بپا ہو گیا اس وقت آپ نے اپنی عزیز ترین بہن زینب سے وصیت کے دوران فرمایا۔

'' اے بہن زینب! میرے بعد مصائب و آلام کی راہوں میں صبر و ضبط سے کام لینا۔ پشت پر تازیانے پڑیں

۱۔ تاریخ نسواں صفحہ ۲۳۹
۲۔ تذکرۃ الصالحین جلد ۲ صفحہ ۹۶
۳۔ براہین ساباطیہ صفحہ ۳۱۴
۴۔ تذکرۃ الصالحین جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

یا سر سے چادر چھنے تو اُف نہ کرنا، رسن بستہ ہونے کے بعد فریاد نہ کرنا۔ میرے بعد یتیموں کی تم ہی نگہبان ہو اور اسیروں کا قافلہ تمہارے حوالے ہے، میری بچی سکینہ ابھی بہت چھوٹی ہے اس کا خیال رکھنا'' (۱)

۱۱محرم کو جب اسیر بیبیوں کا قافلہ کوفہ کی طرف چلا اور راستے میں مقتل نظر آیا اور ان بیبیوں نے گریہ کیا تو اس وقت بھی بی بی سکینہ اپنے باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی مصروف فریاد تھی۔

دربار یزید میں بی بی سکینہ کو دیگر مخدرات کے ساتھ یزید کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کے بعد زندان شام میں قید کر دیا گیا۔

شیخ صدوق اور ابن بابویہ کا مشترکہ بیان ہے کہ ''اسیران کربلا کے متعلق یزید نے حکم دیا تھا کہ انہیں ایسی جگہ قید کیا جائے جہاں یہ دن کی دھوپ اور رات کی شبنم سے محفوظ نہ رہیں یہاں تک کہ ان کے چہروں کی کھال ادھڑ جائے'' میر انیسؔ نے اس خرابہ کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

کچھ شکستگی خرابے کا کیا بیاں   ثابت نہ جس میں سقف نہ در او رسائباں

وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں   وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الاماں

ظلمت کدائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا

حجرے وہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا

آقائی مقدس زنجانی ''انوار خمسہ'' میں رقم طراز ہیں کہ

''تاریخ دیکھیئے۔ ایک دن کمسن سکینہ نے عالم خواب میں اپنے مظلوم بابا کو دیکھا۔ یہی تین چار برس کا سن تھا جوں ہی خواب میں بابا نظر آئے دونوں ہاتھ دراز کر کے کہا بابا! تیری سکینہ خاک پر سوتے سوتے تھک گئی مجھے اپنی گود میں سلا لو۔ یہ کہتے ہوئے شہزادی خواب سے بیدار ہوئی دیکھا آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ ہر طرف رات کا سناٹا ہے۔ ایک چیخ ماری اور ہائے بابا! ہائے بابا کہہ کر رونے لگیں تمام بیبیاں بیدار ہوگئیں۔ ایک نے گود میں لیا سر پر ہاتھ پھیرا لیکن بچی نے ہر بی بی سے اپنے بابا کا مطالبہ کیا اور کہا ابھی میرے بابا میرے پاس آئے تھے وہ کہاں چلے گے؟ یہ سن کر تمام بیبیاں رونے لگیں۔ زندان شام رات کے پچھلے پہر ماتم کدہ بن گیا''۔ (۱)

۱۔ تذکرۃ الصالحین   صفحہ ۲۸۶

۲۔ انوار الخمسہ   صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴

جب یزید کو اطلاع ملی تو اس نے سید سجاد کو بلایا اور ان سے اس گریہ و ماتم کی وجہ پوچھی۔امام نے بتا دیا کہ سکینہ بابا کے لیے بہت بے چین ہے۔یزید نے سر امام بھجوایا۔بی بی سکینہؑ نے فریاد کی کہ ''اے بابا یہاں دن میں دھوپ اور رات میں اوس کی شدت ہوتی ہے۔اے بابا میرے سونے کے لیے اب خاک کا بستر ہے۔بابا میں قید خانے کی اینٹوں کا تکیہ بناتی ہوں'' اس کے بعد بچی خاموش ہوگئی۔شہزادی زینبؑ نے بڑھ کر شانہ ہلایا کوئی جواب نہ ملا کیونکہ بچی کی روح جسم سے پرواز کر چکی تھی''(۱)

قید خانے میں ایک کہرام تھا جب یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی کنیز کے ذریعے پیغام بھیجا کہ کفن دفن کا جو سامان درکار ہو گا لیں امام زین العابدین نے فرمایا''ہمیں کسی سامان کی ضرورت نہیں ہے صرف ایک چھوٹی سی جگہ قبر کے لیے درکار ہے۔چنانچہ یزید نے اس بچی کی قبر کی اجازت دی۔خدا معلوم بیمار امام نے کیونکر قبر تیار کی۔روایتیں بتاتی ہیں کہ اس بچی کو اسی خوں بھرے کرتے کے ساتھ جو وہ پہنے ہوئی تھی سپرد خاک کیا۔امام سجاد سکینہؑ کی میت کو ہاتھوں پر اٹھا کر قبر کے قریب لائے۔اس کے بعد امام نے قبر بنائی اور آج بھی سکینہ زندان شام میں آرام فرما ہیں۔(۱)

۱۔ انوار خمسہ صفحہ ۵۸۳، ۵۸۶

۲۔ ریاض القدس و انوار خمسہ

جناب فضّہ

آپ کا نام میمونہ تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے ان کا نام فضہ رکھا۔ فضہ کے معنی چاندی کے ہیں گویا رسولؐ خدا نے ان کے سیاہ فام ہونے کے باوجود انھیں چاندی بنا دیا اور روشن ضمیر کر دیا۔ علامہ شیخ جعفر بن محمد جعفر نزاری لکھتے ہیں۔

ھی کانت بنت ملک من ملوث الجشۃ'' ''وہ حبشہ کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ کی لڑکی تھی'' (۱)

''حضرت علیؑ نے ان کی شادی ابوثعلبہ حبشی سے کر دی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا پھر ابوثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے ان کا عقد ابوسلیک غطفانی سے کر دیا''۔ (۲)

جناب فضہ بڑی کامل الایمان عورت تھیں۔ بی بی فاطمہ کی خدمت میں بحیثیت ایک خادمہ کے آئی تھیں لیکن انہوں نے اپنی نیک نفسی، حسن کردار اور محبت و الفت کی بنا پر ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی ہر چھوٹا بڑا ان سے محبت کرتا تھا اور ہر ایک کی زبان پر فضہ، فضہ ہی رہتا۔ دنیا کے آسائشات و تعیشات کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آخرت کا خیال ہمیشہ پیش نظر رہتا۔ دن میں روزہ رکھتی تھیں اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتیں۔

ایک دفعہ جناب فضہ کا حضرت عمر بن خطاب سے کسی مسئلہ فقہ میں اختلاف ہو گیا۔ اور فضہ نے اپنی علمی قوت سے انہیں شکست دے دی تو انہوں نے از روئے تعجب سے کہا۔

شعرة من ال ابی طالب افقه من جمیع ال خطاب

آل ابی طالب کا ایک معمولی بال بھی تمام آل خطاب سے فقیہ جاننے والا ہے''۔ (۱)

صحبت محمدؐ و آل محمدؐ کی برکت نے ان کو علم قرآن اور حدیث کی بڑی عالمہ بنا دیا تھا بلکہ قرآن ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ انہوں نے اس خوف سے کہ کوئی جھوٹی بات زبان سے نہ نکل جائے بولنا بہت کم کر دیا تھا

۱۔ انوار العلویہ صفحہ ۱۰۶

۲۔ انوار العلویہ صفحہ ۵۹

۳۔ انوار العلویہ صفحہ ۵۸

اور جو کچھ بولتی تھیں وہ قرآن کی آیات ہوتی تھیں۔ جو مطلب کسی پر ظاہر کرنا ہوتا تھا اس مضمون یا اس سے ملتی جلتی کوئی آیت قرآن پڑھ دیتی تھیں اور لوگ آپ کا مطلب سمجھ لیتے تھے۔

بیس سال اسی طرح بولتی رہیں اسی بنا پر ان کا نام متکلمہ بالقرآن ہو گیا تھا۔ (یعنی قرآن سے کلام کرنے والی)(۱)

شہادت جناب فاطمہ زہراؑ کے بعد فضہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے بعد حضرت زینبؑ وکلثومؑ کی خدمت کو اپنا فریضہ قرار دے دیا۔

علامہ مہدی حائری لکھتے ہیں ''حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کے بعد جناب فضہ حضرت زینبؑ کی کنیزی میں آ گئیں اور ان کے خانہ اقدس میں خدمت کے فرائض انجام دیتی رہیں اور بعض اوقات امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے گھر میں بھی خدمت کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ پھر عقیلۃ القریش حضرت زینب اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئیں تو جناب فضہ ان کے ہمراہ چلیں اور کربلا کے میدان میں آئیں۔

کربلا کے بعد بھی وہ تمام مرحلوں میں جناب زینبؑ وکلثومؑ کے ساتھ تھیں۔ زندان شام میں وہ اہل حرم کے ساتھ تھیں جتنی مصیبتیں خاندان رسولؐ پر نازل ہوئیں فضہ پہلو سے پہلو ملائے رہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد وہ پوری زندگی سایہ کی طرح حضرت زینبؑ کے ساتھ رہیں اور اپنے مولا حسینؑ کی وصیت پر عمل کرتی رہیں جو رخصت کے وقت آپ نے فضہ سے فرمائی تھی کہ اے فضہ ''میری بہن زینبؑ کا خیال رکھنا'' وہ ہر محل پر ارشاد امام کی طرف متوجہ رہیں۔ جب آپ قید یزید سے چھوٹ کر مدینہ واپس آئیں تو گوشہ نشین ہو گئیں اور ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔

بروایت خلاصۃ المصائب مدینہ سے دوبارہ شام کی جانب جب بی بی زینبؑ کو سفر کرنا پڑا تب بھی آپ شہزادی زینب کے ساتھ تھیں اور جب قریب دمشق جناب زینبؑ کی شہادت واقع ہوئی تو آخری خدمات کا شرف حاصل کر کے قبر کی مجاوری اختیار کی اور اپنی شہزادی کے قدموں میں جان دے دی۔ آپ کی قبر بھی آج زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کی عمر ایک سو بیس سال بتائی جاتی ہے۔

۱۔ زندگانی جناب فضہ صفحہ ۳۶

باب چہارم

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خواتین کا کردار

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خواتین کا کردار

ہر خاتون محترم کے حالات زندگی ان کی سیرت و کردار اور واقعات کربلا کے حوالے سے ان کی اہمیت کو میر انیسؔ نے جس طرح اپنے مراثی میں پیش کیا ہے اس کا مطالعہ ہمیں دو مراحل میں کرنا ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بیشتر نسوانی کردار واقعہ کربلا سے پہلے بھی وہی ہیں جو شہادت امام حسین اور مصائب اہل بیت کے بعد بھی موجود رہے۔ میر انیسؔ نے ان کرداروں کو موقع محل اور واقعات کے نشیب و فراز کے تناظر میں پیش کیا ہے۔

میر انیسؔ کے اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جب کوئی واقعہ، کوئی صفت کوئی عمل کسی ایک کردار سے وابستہ کر دیتے ہیں تو وہ صفات پھر کسی دوسرے کردار میں پیش نہیں کرتے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ قبل کربلا اور بعد کربلا نسوانی کردار وہی ہیں لیکن ان کا منصب، ان کے جذبات و محسوسات اور کربلا کے واقعات کے تسلسل میں ان کی موجودگی کو ہر جگہ اپنے منطقی جواز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ مطالعے کے دوران کرداروں میں اعادہ و تکرار کا احساس ہو سکتا ہے۔ لیکن میر انیسؔ کی تصویر کشی میں کہیں بھی یکسانیت یا دہرانے کا عمل نہیں پایا جاتا۔

حضرت امام حسینؑ نے جنگ کی اور جب آپ زین فرس پر آئے تو میر انیسؔ نے اس منظر کو کس طرح نظم کیا۔ بہن بے قرار ہے کہ بھائی کا دیدار کرے اور منظر یہ ہے کہ:

دوڑی یہ صدا سن کے ید اللہ کی جائی　　چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی　　یاں ہوگی سید کے سروتن میں جدائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہنچیں تو سناں پر سر شبیر کو دیکھا

اب بہن بھائی کے سر کو نوک نیزہ پر دیکھ رہی ہیں اور اس طرح بین کر رہی ہیں۔

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری　　دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری　　تم مر گئے پوچھے کا خبر کون ہماری

آفت میں پھنسی آل رسولؐ عربی کی

اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی

بی بی زینب ابھی یہ بین کرہی رہی تھیں کہ لاشوں کی پائمالی ہونے لگی اوراس کے بعد کے منظر کو میر انیسؔ نے اس طرح پیش کیا ہے۔

اتنے میں جلنے لگا خیمہ سلطان امم　　بچے لے لے کے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم

دوڑا معصوم سکینہ کی طرف اک اظلم　　دونوں کانوں سے گہر چھین لیے وائے ستم

خوں میں گرتے کو بھرا دیکھ کے تھراتی تھی

ہاتھوں کانوں پہ دھرے باپ کو چلاتی تھی

ایک اور مرثیے میں خواتین کی بے پردگی کواس طرح پیش کیا گیا ہے کہ

جن بیبیوں کا سایہ نہ دیکھا تھا کسی نے

افسوس انھیں بے پردہ کیا فوج شقی نے

ابھی بچے آہ وفغاں کر رہے تھے بیبیاں اس صدمہ جانکاہ سے نکلنے بھی نہ پائی تھیں کہ فوج اشقیا نے دوہری مصیبت کھڑی کردی بی بی شہر بانو کے بین تھے۔ جو وہ بچوں کو دیکھ کراور بالی سکینہ کو گود میں لے کر کر رہی ہیں۔فوج لعین حرم کو جلد اونٹوں پر سوار ہونے کا حکم دے رہے ہیں۔

گود میں لے کے اسے رونے لگی بانوے زار　　غل ہوا اہل حرم جلد ہوں اونٹوں پہ سوار

اونٹ بٹھلائے تو چلائی یہ زینب اک بار　　کس طرف ہو علی اکبر یہ پھوپھی تم پہ نثار

گرد اونٹوں کے قنات آگے لگاؤ بیٹا

ہاتھ پکڑو مجھے محمل میں بٹھاؤ بیٹا

بی بی زینب اور دیگر خواتین کربلا جب مدینے سے چلی تھیں تو حضرت علی اکبرؑ اور حضرت عباسؑ نے قناتیں لگوائی تھیں۔ایک ایک بی بی کا ہاتھ تھام کے محملوں پر سوار کروایا تھا۔آج ان محترم خواتین پر یہ وقت آ گیا بی بی

زینب فریاد پر مجبور ہیں۔

اونٹ آئے ہیں سواری کو یہ اے نورِ نظر　　نہ کجاوہ ہے نہ ہودج نہ عماری جن پر

آپ کو سب سے زیادہ اپنے پردے کا خیال ہے اس لیے گود کے پالے سے کہہ رہی ہیں۔

سر پہ چادر بھی نہیں شان ہماری دیکھو

آج ناموس پیمبرؑ کی سواری دیکھو

ابھی بی بی زینب یہ سب کہہ ہی رہی تھیں کہ ایک اور ظلم ہوا فوج لعین درانہ وار خیمے میں داخل ہوئی اس منظر کو انیسؔ نے اس طرح پیش کیا ہے۔

زینب ابھی سکینہ سے کرتی تھی یہ کلام　　لینے لگے ردائیں سروں پر سے اہل شام

دیکھا نہ تھا جو گھر میں کبھی یہ ہجوم عام　　حق کی دہائی دینے لگیں بیبیاں تمام

منت سنی کسی کی نہ خوف خدا کیا

زہراؑ کی بہوؤں بیٹیوں کو بے ردا کیا

پھر اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ امام حسینؑ کے بیمار بیٹے زین العابدین کے ساتھ ان لعینوں نے کیا کیا انیس کی منظر نگاری دیکھیے،

قطع نظر ان باتوں کے لب تشنہ و بیمار　　پاوں پہ ورم دردِ سر اور تپ میں گرفتار

تھا ضعف سے اک گام اٹھانا جسے دشوار　　پیدل لیے جاتے تھے اسے ظالم و غدار

غش آتا تھا گر راہ میں تشنہ دہنی سے

ظالم اسے چونکاتے تھے نیزے کی انی سے

امام زین العابدینؑ جو بیمار تھے مگر ان کا جہاد امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شروع ہوا جو یقیناً بہت بلند پایہ تھا۔ بیماری کی تکلیف، طوق گرانبار، زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور سب سے زیادہ اذیت یہ تھی کہ ماں، بہنوں کو ننگے سر بلوے میں دیکھ رہے تھے، ان کی اس حالت کو انیسؔ نے اس طرح رقم کیا۔

بے دینوں میں تھی تہنیت فتح کی اک دھوم   رانڈوں میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہہ مظلوم
اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدؑ مغموم   بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم

اک ہاتھ میں زنجیر بہ صد رنج و محن تھی
اک ہاتھ میں ماں بہنوں کے اونٹوں کی رسن تھی

پھپھیاں سر ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر   ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منہ روتی تھی مادر
بے پردہ تھی اک رات کی بیاہی ہوی خواہر   چچیاں تھیں اس انبوہ میں بے مقنعہ و چادر

ناموس محمدؐ پہ تو یہ ظلم و ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزہ پہ الم تھا

اہل حرم اس سفر کے دوران کیا محسوس کر رہے تھے ان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی میر انیسؔ نے اس طرح کی ہے۔

آگے تو چلا جاتا تھا وہ عاشق باری   پیچھے حرم شاہ میں تھی گریہ وزاری
شہزادیوں کو دی تھی ان اونٹوں کی سواری   جن پر نہ کجاوہ تھا نہ محمل نہ عماری

نامحرموں کی بھیڑ سے شرماتی تھیں رانڈیں
بالوں سے چھپائے ہوئے منہ جاتی تھیں رانڈیں

امام حسینؑ بعد ان بی بیبوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔ وہ اپنے وارثوں سے بچھڑ چکی تھیں، اپنی اولادوں کو کھو چکی تھیں، اولاد جو ماں کا سہارا ہوتی ہے، وہی صاحب اولاد تین دن کی بھوکی پیاسی تہہ تیغ کر دی جائے، تو ماؤں کی بے بسی اور بے چارگی کا کیا عالم ہوگا۔ ان کی دلی کیفیات کو انیس نے اس طرح نظم کیا۔

اکبر سے بچھڑنے کا کسی رانڈ کو تھا غم   کوئی غم اصغر میں فغاں کرتی تھیں پیہم
حیدر کے نواسوں کا کوئی کرتی تھی ماتم   قاسم کو کوئی روتی تھی گردن کو کیے خم

کوئی غم عباس میں مصروف بکا تھی
لب پر کسی کے ہائے حسین کی صدا تھی

واقعہ کربلا میں مختلف خواتین ہیں اوران کے مختلف انداز مثلاً

چلاتی تھی کوئی مجھے صدمہ یہ بڑا ہے

وارث مرا بے گور و کفن رن میں پڑا ہے

یہ تو ان خواتین محترم کا احوال تھا مگر اس واقعے کی سب سے اہم بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ اس میں جو ظلم و جور ہوے اس میں ماہ وسال کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ چھ ماہ کے علی اصغر کو تیر ستم کا نشانہ بنایا گیا اوران کے علاوہ جو معصوم بچے باقی بچے ان پر بھی لطف وکرم کی نظر نہ کی بعد حسینؑ بھی بچوں کو پانی نہ دیا گیا۔ان کیفیات کو میر انیسؔ نے اس قدر بھرپور انداز سے نظم کیا کہ تمام مناظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔

تھے پیاس سے غش گودیوں میں ماؤں کی اطفال گل برگ سے سوکھے اور دھوپ سے رخ لال

ان بچوں میں تھی بالی سکینہ کا یہ احوال کانوں سے لہو بہتا تھا اور سوجے تھے گال

سر ننگا تھا کرتے کا گریبان پھٹا تھا

اور چاند سا منہ گرد یتیمی سے اٹا تھا

بی بی سکینہ جو امام حسینؑ کی نماز شب کی دعاؤں کا نتیجہ تھیں اور باپ کے سینے پہ سونے والی یہ معصوم بچی یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس کے بابا موجود ہوتے تو اشقیاء اس کے اور اس کے گھر والوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کر سکتے اسی لیے کہتی ہیں۔

وہ ہوتے تو گھر کو نہ لعیں آگ لگاتے

وہ ہوتے تو در در نہ لعیں آج پھراتے

جب باپ کی یاد ستاتی تو کچھ اس طرح فریاد کرتی تھیں۔

کیوں کر نہ کرے نالہ و فریاد سکینہ

مرنے سے ہوئی باپ کے برباد سکینہ

چونکہ آپ ہمیشہ اپنے بابا کی چھاتی پہ سونے کی عادی تھیں اس لیے کہتی ہیں۔

بے چین ہوں گودی میں اٹھا و مجھے آکر
نیند آتی ہے چھاتی پہ سلاؤ مجھے آکر

رانڈوں کا یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا اوران خواتین کا یہ حال تھا کہ رنج وغم، بے بسی و بے کسی کو چپ چاپ برداشت کر رہی تھیں مگر جب بی بی سکینہ بین کر کے اپنے بابا کو یاد کرتیں تو ان کے دلوں پہ چھری چل جاتی۔

اس بین سے سرور کو جو روتی تھی وہ ناکام یہ پیٹتی تھیں رانڈوں میں پڑ جاتا تھا کہرام
منزل پہ پہنچتے تھے وہ قیدی سحر و شام جز رنج نہ ملتا تھا وہاں بھی انہیں آرام
پانی کے عوض اشکوں سے منہ دھوتے تھے قیدی
تا صبح عزیزوں کے لیے روتے تھے قیدی

قافلہ جب دربار شام کی طرف روانہ ہوا تو بی بی زینب نے فرمایا کہ قافلہ کربلا سے ہوتا ہوا جائے گا۔ کربلا کی خواتین کا جو حال ہے میر انیس نے اس کو کتنے فطری انداز سے قلمبند کیا۔

چلاتی تھی بانو مرے سید مرے سرتاج الٹا مرا بخت آپ کے مرنے سے لٹا راج
حضرت کو تو نیزے پہ ملا رتبہ معراج اور لونڈی ہے بلوے میں ردا کے لیے محتاج
گھر لٹ گیا ہے بے وارث و والی ہوئی صاحب
بچوں سے بھری گود بھی خالی ہوئی صاحب

پھر بی بی کہتی ہیں کہ اب آپ کے بعد میرا کوئی پوچھنے والا بھی نہیں رہا۔ اٹھارہ برس کا جوان بیٹا بھی شہید ہو گیا اب آپ ہی بتایئے میں کیا کروں۔

کب تک یہ سہوں رنج و ستم اے شہہ والا
اعدا نے مجھے لوٹ کے پردے سے نکالا

ایک معصوم چار سال کی بچی اپنے باپ کی لاش کو دیکھ کر کس طرح بین کر رہی ہے یہ انیس کا ایک حسین بند ہے ملاحظہ فرمایئے۔

قربان گئی بیٹی سے منہ آپ نے موڑا کھانے کو طمانچے ہمیں خیمے ہی میں چھوڑا
اعدا نے کڑوں کے لیے ہاتھوں کو مڑوڑا برچھی کبھی دکھلائی اٹھایا کبھی کوڑا

بے زار ہوئے پیار کے وہ دن گئے بابا
تم آئے نہ اور میرے گہر چھن گئے بابا

چھوٹے بچوں کو اپنی چیزیں بہت عزیز ہوتی ہیں ان گوشواروں سے بی بی سکینہ کو بے پناہ محبت تھی کیونکہ یہ امام نے اپنے ہاتھوں سے پہنائے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گہر اس طرح چھینے گئے کہ آپ کے کانوں سے لہو بہہ رہا تھا اب آگے چل کر یہی بچی اپنے بابا کو حالات سے مکمل طور پر آگاہ کر رہی ہے یہ بالکل حقیقی انداز ہے کہ بچے ساری روداد سناتے ہیں اور یہاں بی بی سکینہؑ کا بھی یہی انداز ہے۔

خیمہ بھی جلا چھن گئی اماں کی بھی چادر ہیں بلوہ اعدا میں پھوپی جان کھلے سر
زنجیر گراں پہنے ہیں سجاد برادر صدقے گئی بھیا کو بچانے نہیں اٹھ کر

بیمار کو آرام نہیں ملتا ہے بابا
یہ طوق ہے بھاری کہ گلا چھلتا ہے بابا

ابھی آپ یہ بین کر رہی تھیں کہ ستمگاروں نے بچی کے بازوؤں کو کھینچا بچی باپ کی لاش سے جدا ہونا نہیں چاہتی اس لیے کتنی بے بسی سے کہہ رہی ہے۔

جاؤں گی کہاں باپ کے پہلو سے میں ہٹ کر
شب ہوگی تو سوؤں گی میں چھاتی سے لپٹ کر

یہ خاندان رسالت کی بی بیاں تھیں باپردہ، باعصمت جن کا سایہ تک کسی نہ دیکھا تھا یزید نے ان کے وارثوں کو شہید کرنے کے بعد ان کو رسن بستہ، بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر دربار یزید میں لے جانے کی تیاریاں کیں۔ وہ بد کرداروں لوگ جنھوں نے ان کے سروں سے وارثوں کا سایہ چھین لیا، سروں سے ردائیں چھین لیں ان کے بظاہر کیا ٹھاٹ باٹ تھے اور اس کے برعکس آل رسولؐ پر کیا ستم و جور روا رکھے گئے۔ میر انیسؔ نے اس کی منظر کشی اس طرح کی ہے۔

واں بیٹھتے تھے سایوں میں خیموں کے بداختر　　اور سایہ افلاک تھا یاں رانڈوں کے سر پر
سوتے تھے ادھر فرش مصفا پہ ستم گر　　یاں تکیے کی جا سنگ تھے اور خاک کا بستر
واں تہنیت قتل امام مدنی تھی
یاں وارثوں کا ذکر تھا اور سینہ زنی تھی

لشکر یزیدی بیبیوں کو بے مقنعہ و چادر کوفے میں لے کر آئے۔اس منظر کو انیسؔ نے کس طرح بیان کیا ہے۔

کوفے میں جب حرم حضرت شبیر آئے　　روتے اور پیٹتے باحالت تغیر آئے
ننگے سر بلوے میں سب صاحب توقیر آئے　　،پہنے زنجیر گران عابد دلگیر آئے

اب بازار کوفہ میں بیبیوں کو لے جانے کی تیاریاں ہیں انیسؔ نے یہ منظر کیسے پیش کیا۔

سر بازار عجب طرح کا تھا بلوہ عام　　سیر کو لوگ گھروں سے چلے آتے تھے تمام
جا کہیں خالی نہ تھی بھر گئے تھے کوچہ و بام　　کثرت خلق سے مشکل تھا اٹھانا ہر گام
کوئی غمگین تھا اور شاد کوئی ہوتا تھا
کوئی ہنستا تھا اسیروں پہ کوئی روتا تھا

رانڈوں کے اس قافلے کی مہار سید سجادؑ کے ہاتھوں میں تھی آپ مسلسل بیماری کی وجہ سے اس قدر ناتواں ہو گئے تھے کہ

تھا ورم پاؤں پہ تن ضعف سے تھراتا تھا
رسی کھینچے ہوئے اونٹوں کی چلا جاتا تھا

ہتھکڑی ہاتھوں میں اور پاؤں میں بھاری زنجیر　　کھینچے تلواریں کئی اس کے پس پشت شریر
تھی یہ تاکید کہ چلنے میں نہ کچھ تاخیر　　اور تھی ضعف سے اس قیدی کی حالت تغیر
کہتا تھا ظالمو بے جرم ستاتے ہو مجھے
چل نہیں سکتا ہوں کھینچے لیے جاتے ہو مجھے

یہ سفر ماں بہنوں کو بے مقنعہ و چادر بازار میں لے جانے کا خیال پھر تب اس کے علاوہ بھرے گھر کا صدمہ

عابد بیمار کی خستہ حالی دیکھیے انیسؔ انے اس کو مجسم کر دیا۔

نہ تو ہے پاؤں میں نعلین نہ سر پر دستار　　پرزے پرزے ہے عبا جسم ہے کانٹوں سے فگار

مجھ پہ اب رحم کرو ہوں میں ضعیف و بیمار　　لڑکھڑاتا ہوں چڑھا ہے مجھے شدت سے بخار

اب غش آیا تو نہیں پھر میں سنبھل سکنے کا

گر پڑا اب کی تو ہرگز نہیں چل سکنے کا

جب یہ حسینی قافلہ بازار شام میں پہنچا تو اس وقت وہاں کی کیا حالت تھی دیکھیئے۔

آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے　　صبح سے جشن کا غل شام کے بازار میں ہے

صحبت عیش و طرب مجلس غدار میں ہے　　شور و فریاد و بکا عترت اطہار میں ہے

اس قافلے کے سالار قافلہ امام کے بیٹے زین العابدین ہیں جو امام کے بعد اپنی ماں، بہنوں اور پھوپیوں کے سامنے چل رہے ہیں۔ ایک بیٹا کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی ماں بہن ننگے سر ہوں اور نہ صرف ننگے سر ہوں بلکہ تماشائی ان کو دیکھ رہے ہوں مگر امام حسینؑ کے بعد یہ واحد مرد تھے جنھوں نے اپنے بابا سے بڑا جہاد کیا اور انیسؔ نے اس منظر کو اس طرح قلمبند کیا ہے۔

آگے آگے تو ہیں سجادؑ جھکائے گردن　　پاؤں بیڑی میں گلا طوق میں گردن میں رسن

مثل خورشید فلک شرم سے لرزاں ہے بدن　　چاک ہے غم میں گریبان قبا تا دامن

بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجلا کے اٹھاتے ہیں لعین

بوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعین

بی بی زینبؑ جب مدینے سے چلیں تھیں تو بھائی ساتھ تھے کبھی وہ مدینے کی گلیوں میں بھی دن کے وقت باہر نہ نکلی تھیں۔ آج بھرے دربار میں جانے کے تصور سے گھبرا کے کہتی ہیں۔

رو کے فرماتی ہیں، کس گوشے میں جائے زینب

ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینب

ایک رسی اور بارہ گلے اس میں معصوم سکینہ بھی شامل ہیں جو ایک ایک گام پہ آہیں بھر رہی ہیں۔ یہ اتنی چھوٹی

اور اس قدر معصوم بچی ہیں کہ انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ ان کو اس طرح کیوں اور کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ بی بی سکینہ کی فریاد دیکھئے۔

ماں سے رو رو کے وہ ناداں یہ کرتی ہے بیاں   کس کا دربار ہے اس حال میں جاتی ہو کہاں
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں   کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں میں نہاں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انہیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

یزید نے ان محترم خواتین کو نہ صرف دربار میں بلایا بلکہ یہ چاہا کہ ان کو بتائے کہ اب ان کا کوئی چاہنے والا باقی نہیں رہا اور اب وہ اس لعین کے رحم و کرم پر ہیں۔ یزید نے بی بی زینبؑ کے دکھوں کو تازہ کیا بھائی اور بیٹوں کے غم کو یاد دلایا مگر یہ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی ہیں۔ چند باتیں تو آپ نے اس کی سن لیں لیکن دربار عام میں جو باتیں کیں یزید کے سوالوں کے جو جوابات دیئے وہ اس خاندان کا خاصہ ہیں آپ نے یزید سے بھرے دربار میں فرمایا۔

ہاں بتا آیہ تطہیر کسے آیا ہے   دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
ہل اتی کس کے لیے روح امیں لایا ہے   کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرق قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے

بی بی نے بھرے دربار میں بے خوف و خطر بتایا کہ ہم محمدؐ کی اولاد ہیں ہم کو حقارت کی نظروں سے نہ دیکھ تو نے محمدؐ کے نواسے کو شہید کیا ہے اور بہت پر غرور ہے خیر اب محشر کے دن تجھے پتہ چلے گا کہ تو نے کس کا خون بہایا اور کس گھرانے کی خواتین کے ہاتھوں کو رسن بستہ کیا ہے پھر بی بی شرم دلانے کے لیے کہتی ہے۔

تیرے ناموس تو ہیں پردہ نشیں او ظالم   بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہائے بے پردہ ہو بانوئے امام عالم   ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کبرا پہ ستم

ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
تجھ کو شادی ہوی اور ہم پہ تباہی آئی

آپ کی فصیح و بلیغ تقریر کا دربار کے لوگوں پہ جو اثر ہوا اس منظر کو انیسؔ نے اس طرح نظم کیا ہے۔

کیے زینب نے وضاحت سے یہ جس وقت کلام کانپے سینوں میں جگر رونے لگے لوگ تمام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سر پاک امام متوجہ ہوا شرما کے ادھر حاکم شام
اور ان ظلم رسیدوں پر جفا کرنے لگا
لب فرزند پیمبر پہ چھڑی دھرنے لگا

بی زینبؑ کی دلیری دیکھیے آپ نے اس وقت بھی شمر کو ٹوکا ہے فرماتی ہیں۔

اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بوسے لیتے تھے انہی ہونٹوں کے محبوبؐ خدا

اب دربار کا منظر تبدیل ہو گیا حاکم نے اپنے غصے کا اظہار اس طرح کیا کہ شمر سے بولا کہ ان سب لوگوں کو لے جا کر زنداں میں اسیر کر دے اوران خواتین کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا اس ستم کی انیس نے اس طرح منظر کشی کی ہے۔

جب شام کے زنداں میں ہوئی شام حرم کو اک آن نہ راحت تھی نہ آرام حرم کو
تھے ورد زباں وارثوں کے نام حرم کو رونے کے سوا اور نہ تھا کام حرم کو
رخ زرد تھے دل سینوں میں صدمے سے تپاں تھے
تاریکی سے دم گھٹتے تھے اور اشک رواں تھے

یہ خانہ ویراں جو برسوں سے خالی پڑا تھا۔ اس میں یہ ستم رسیدہ خواتین قید کر دی گئیں۔ اس زنداں میں اس قدر تاریکی تھی کہ خواتین کے دل شق ہو رہے تھے اور اس پہ یہ ظلم کہ کوئی زندان سے باہر نہ جانے پائے بچے سہمے ہوئے تھے۔ باپ کے سینے پہ سونے والی لاڈلی سکینہ ماں سے ہمکلام تھیں۔

سہمی ہوئی کہتی تھی یہ شبیر کی دختر
دم گھٹتا ہے اماں مجھے تم لے چلو باہر

وہ بچی جو نازوں کی پلی تھی اس کا یہ عالم تھا کہ مسلسل رو رہی تھی اور ماں اسے سمجھا رہی تھیں کہ اگر تم روئیں تو شمر ایسا نہ کرے کہ تمھارا گلہ دوبارہ رسی میں باندھ دے ماں ہیں نا اولاد کے لیے بے چین ہیں اسے سمجھا رہی ہیں۔

سانسیں نہ بھرو ہچکیاں لے لے کے نہ روو　　کڑھ کڑھ کے میں صدقے گئی جان اپنی نہ کھوو
مل جائیں گے بابا بھی منہ اشکوں سے نہ دھوؤ　　قربان گئی آؤ مری گود میں سوؤ
اب سبط پیمبر سے ملا دیویں گے تم کو
آویں گے جو بابا تو جگا دیویں گے تم کو

بچی نادان ہے اس کے بابا، عمو بھائی سب بچھڑ گئے ہیں اس لیے وہ بین کر رہی ہے۔

وہ کہتی تھی بابا کو بلا دو تو میں سوؤں　　بو چاند سی چھاتی کی سنگھا دو تو میں سوؤں
ہم شکل پیمبر کو دکھا دو تو میں سوؤں　　مجھ سے مرے عمو کو ملا دو تو میں سوؤں
بابا کے لیے چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
نے موتی ہی آتی ہے نہ نیند آتی ہے اماں

زندان شام میں دنیا کی یہ عظیم ہستیاں اس طرح قید کی گئیں کہ دن بھران پر دھوپ پڑتی، ساری ساری رات بیبیاں رو رو کر سحر کر دیتی تھیں۔ کھانا اور پانی بھی اتنا نہ ہوتا تھا کہ پیٹ بھر کر کھا سکیں زمین فرش پر بیٹھنے کی وجہ سے خاک سے اٹ گئی تھیں۔ اگر حاکم اظلم کھانا اور پانی بھیجتا تو ان کے دلوں پہ خنجر چل جاتے ان کو تین دن کی بھوک و پیاس میں شہید کیے جانے والے اپنے بیٹے اور اپنے وارث یاد آ جاتے کھانا لانے والا جانتا تھا کہ یہ بھوکے پیاسے ہیں۔ اس نے ایک دن بی بی زینبؑ سے کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے کہا کہ ہم کس دل سے کھانا کھائیں ہمارے وارث تو ابھی بے گور و کفن میدان میں کربلا میں پڑے ہیں۔ آپ نے اس طرح یہ باتیں کیں کہ سب بیبیاں رونے لگیں اور ایک غل بپا ہو گیا۔ یہ زنداں محل کی دیوار کے قریب تھا یزید کی بیوی ہند جو کنیز تھی اور جس کو بی بی زینبؑ نے آزاد کیا تھا اور اب وہ یزید کی بیوی تھی اور آرام و سکون سے یزید کے محل میں رہ رہی تھی مگر آل رسول کی محب تھی۔ جب بیبیوں کے بین اس کے کانوں تک پہنچے تو اس نے اپنی کنیزوں سے پوچھا۔

سب بیبیاں رونے لگیں اک غل ہوا برپا　　تب ہند نے گھبرا کے کنیزوں سے یہ پوچھا

لوگو پس دیوار محل غل ہے یہ کیسا کیا گھر سے کسی شخص کا نکلا ہے جنازہ

رہ جاتا ہے سینے میں کلیجا مرا ہل کے

یہ کون سے شبیر کو سب روتے ہیں مل کے

ہند کا دل اس قدر بے قرار و مضطرب ہوا کہ وہ ان بیبیوں سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی۔ بی بی فضہ نے بی بی زینبؑ کو ہند کے آنے کی خبر دی تو کیا منظر تھا۔

دی فضہ نے زینب کو خبر جا کے یہ ناگاہ زندان میں ہند آتی ہے اے بنت یداللہ

یہ سن کے اڑا رنگ رخ زینب ذی جاہ گھبرا کے کہا اب میں کہاں جا کے چھپوں آہ

کیا دیکھوں مقدر مجھے دکھلاتا ہے لوگو

ہند آتی نہیں مجھ پہ غضب آتا ہے لوگو

عام انسان بھی اپنی عزت کا بہت خیال رکھتے ہیں اور یہ گھرانہ تو بہت بلند اور مثالی خاندان تھا۔ اب عورت کی نفسیات دیکھیے بی بی زینب کو یہ قلق ہے کہ ہند نے مجھے اس وقت دیکھا تھا جب میری عزت و توقیر تھی بھائی جیتے تھے۔ اب وہ مجھے کس حال میں دیکھے گی۔ اب اس جذبہ کو انیس نے کتنے خوبصورت پیرائے میں قلمبند کیا ہے۔

جن روزوں کہ آباد تھا گھر جیتے تھے شبیر اس نے مجھے دیکھا تھا بصد عزت و توقیر

برباد ہوئی بھائی کے مر جانے سے ہمشیر اب سر پہ ردا بھی نہیں ہے ہے مری تقدیر

بے کس ہوں گرفتار ہوں آوارہ وطن ہوں

کس منہ سے کہوں گی کہ میں حضرت کی بہن ہوں

شرم آتی ہے آنکھ اس سے ملاؤں گی میں کیونکر رسی کے نشانوں کو چھپاؤں گی میں کیونکر

یہ گرد بھری شکل دکھاؤں گی میں کیونکر نام اس نے جو پوچھا تو بتاؤں گی میں کیونکر

کس طرح کہوں گی کہ سفر کر گئے شبیر

اس قید میں جیتی ہے بہن مر گئے شبیر

مگر ہند چونکہ ان لوگوں سے ملنے کے لیے بہت بے قرار تھی وہ آ گئی اب رانڈوں کا کیا حال تھا۔

ہند آئی تو رانڈوں کا نظر آیا عجب حال سب شرم سے چپ بیٹھی تھیں بکھرائے ہوئے بال
چادر ہے کسی پاس نہ مقنع ہے نہ رومال دل سے کہا اس باغ کو کس نے کیا پامال
جلدی کوئی پوچھے کہ وطن ان کا کہاں ہے
چہروں سے تو سیدانیوں کی شان عیاں ہے

ہند اس گھرانے کو جانتی تھی۔ اس گھرانے کی آزاد کردہ کنیز تھی ان بیبیوں کو دیکھ کر اس کا دل مضطرب تھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ گھرانا یثرب سے کربلا آیا ہے۔

اس لیے بھی وہ بہت بے چین تھی۔ وہ بی بی زینبؑ اور امام حسینؑ کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کیونکہ محبت اس خاندان کا خاصہ تھا۔ اس لیے یہاں کی کنیزیں بھی اتنی ہی محبت کرتی تھیں جتنی ایک گھر میں رہنے والے افراد آپس میں کرتے ہیں اب ہند کی بے چینی کو انیسؔ نے کس طرح بیان کیا ہے۔

وہ کہنے لگی بیبیوں آنسو نہ بہاؤ بیتاب ہوں میں زانوں سے سر تو اٹھاؤ
یثرب سے جو آئی ہو تو شکلیں تو دکھاؤ کچھ فاطمہ کے لال کا احوال سناؤ
مطلب ہے مجھے خیریت سبطِ نبیؐ سے
آگاہ ہو تم لوگ حسین ابن علیؑ سے

پھر ہند نے اس گھرانے کی شان اور محبت کا اعلان کیا وہ کہتی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ امام نے مدینے سے سفر کیا ہے اب ان تمام باتوں کو انیسؔ نے مکمل لہجہ اور بھرپور نسائی انداز سے اس طرح نظم کیا ہے۔

سنتی ہوں کہ مکہ میں گے ہیں شہ ذی شاں ان روزوں مدینہ تو ہوا ہوے گا ویراں
کیا شوق ملاقات ہے زینب کے میں قرباں ہوتی نہیں یاد ان کی فراموش کسی آں
ایسی تو بہن بھائی کی شیدا نہیں ہوتی
زینبؑ سی تو بی بی کہیں پیدا نہیں ہوتی

آخر کار ہند کو پتہ چل گیا کہ یہی گھرانہ آلِ محمدؐ کا ہے اور یہ بی بیاں محمدؐ کی نواسیاں اور بہوویں ہیں اس کے بعد ہند کی بے قراری ناقابل بیان ہے۔

یہ سنتے ہی سب بیبیاں کرنے لگیں زاری سر پر سے ردا پھینک کے یہ ہند پکاری

میں کہتی تھی زینب ہے یہی درد کی ماری　ہَے ہَے مری بی بی کی ردا کس نے اتاری

تاراج محمدؐ کا بھرا گھر ہوا ہَے ہَے

لختِ جگر فاطمہؑ بے سر ہوا ہَے ہَے

بیبیاں زنداں شام میں قید تھیں اور رات و دن آہ و فغاں میں مصروف رہتی تھیں ایک دن میں بھرا گھر تاراج ہو گیا ان بی بیوں کے دل مضطرب تھے ایک دم کے لیے بھی انہیں آرام میسر نہ تھا ہر بی بی کا دکھ ایک سا تھا اور ان کے بین یہ تھے۔

کہتی ہے کوئی لوٹا گیا باغ ہمارا　ہَے ہَے مرے بچے کو ستمگاروں نے مارا

مجھ رانڈ کا پیری میں رہا کچھ نہ سہارا　دنیا سے مرا لال جواں ہو کے سدھارا

شادی بھی ہوی تھی نہ مرے لختِ جگر کی

میں مر نہ گئی ہائے بلا لے کے پسر کی

سب سے زیادہ تباہ حالت بی بی سکینہ کی تھی۔ ان کے گہر چھن گئے کانوں پہ طمانچوں سے نیل پڑ گئے تھے اور وہ اس طرح آہ و بکا کر رہی تھیں۔

یہ نیل طمانچوں کے کسے آہ دکھاوں　کانوں کے میں دکھ کا کسے احوال سناوں

عباس چچا کو بھلا کس طرح سے پاوں　اکبر ہیں کہاں جن کو حمایت میں بلاوں

ڈر شمر کا یہ ہے کہ میں چلا نہیں سکتی

وہ آ نہیں سکتے میں وہاں جا نہیں سکتی

آج بی بی سکینہ اپنے بابا کے لیے بہت بے چین تھیں۔ ماں نے بہت سمجھایا۔ بیبیوں نے گلے لگایا مگر وہ نادان بچی اس طرح بے چین ہوئی کہ تمام بیبیاں آہ و بکا کرنے لگیں۔ حاکم ظالم تک یہ خبر پہنچ گئی اس نے طشت طلا میں رکھا امام کا سر زنداں میں بھجوا دیا اب اس بچی کی بے قراری دیکھیے۔

چھوٹے سے جو ہاتھوں سے اٹھایا سرِ سرور

آنکھیں ملیں رخساروں سے منہ رکھ دیا منہ پر

اس کے بعد بچپن کا وہی معصومانہ انداز اپنے بابا کو ہر بات بتاتی تھیں اس لیے اب بھی اپنے بابا سے اس طرح فریاد کر رہی ہیں۔

اس سن میں کہوں کیا جو ستم میں نے اٹھائے یا شاہ طمانچے مجھے ظالم نے لگائے
بندے مرے چھینے مجھے نیزے بھی دکھائے باندھے ہوئے گردن میں رسن کھینچتے لائے
نے پاس ہیں آپ اور نہ چچا جان ہمارے
فریاد کہ مجروح ہوے کان ہمارے

ابھی بی بی اپنے بابا سے یہ دکھ بیان کر رہی تھیں کہ شمر نے کہا کہ اب سر واپس کر دو حاکم کا حکم ہے۔ بچی بہت بے چین تھی وہ کسی طرح اپنے بابا کا سر واپس کرنے کے لیے تیار نہ تھی مگر شمر نے بہ زور شبہ کا سر اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس منظر کو انیسؔ نے اس طرح پیش کیا ہے۔

ظالم نے بزور اس سے سر شاہ کو چھینا اور لے گیا زنداں سے سر شاہ مدینہ
رانڈیں تو لگیں پیٹنے رو کر سر وسینا اور مر گئی بس ہائے پدر کہہ کے سکینہ
اک دھوم ہوئی خانہ زنداں میں بکا کی
تھا شور کہ شبیر کی عاشق نے قضا کی

بی بی سکینہ کی شہادت ماں کے لیے اتنا بڑا صدمہ تھا کہ وہ علی اصغر کو کربلا میں کھوائیں سکینہ زندان شام میں چل بسیں ماں کی بے بسی اور بے کسی کو انیسؔ نے اس طرح قلمبند کیا۔

پھر رکھ کر منھ اس بچی کے منھ پر یہ پکاری اصغر کی طرح چھوڑ گئیں تم ہمیں واری
بی بی میں نہیں جینے کی فرقت میں تمھاری ہے ہے مری عاشق مری بے کس مری پیاری
مادر سے برے وقت میں منہ موڑ گئیں تم
اس قید میں رونے کے لیے چھوڑ گئیں تم

اب ایسے اسیر جن کے سروں پر ردائیں بھی نہیں عرصے سے زنداں میں قید ہیں۔ ایسے میں ماں کو بیٹی کی تدفین کا خیال آ رہا ہے۔ وہ کیسے اس بچی کو کفن دیں گی کہاں دفن کریں گے، کہاں قبر بنے گی۔ ماں کی بے بسی دیکھیے:

ننھی سی کہاں قبر بناؤں میں تمہاری چادر بھی نہیں جس کا کفن دوں تمھیں واری
پردیس میں کی تو نے قضا اے مری پیاری کیا آخری خدمت کرے ماں درد کی ماری
پوشیدہ تہہ خاک جو تن ہوگا تمھارا
یہ خوں بھرا کُرتا ہی کفن ہوگا تمھارا

بی بی سکینہؑ کی شہادت کے بعد یزید نے قیدیوں کو رہائی دینے کا فیصلہ کرلیا اور زنداں شام سے ان کو دربار یزید میں طلب کیا گیا۔ اس منظر کو انیسؔ نے اس طرح پیش کیا۔

دربار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی بے تاب ہیں بے صبر ہیں جی کھوتے ہیں قیدی
منھ گرد بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں قیدی بچوں کو لیے گودیوں میں روتے ہیں قیدی
فاقوں سے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستم گاروں کی لرزہ ہے بدن میں

دل ہول کے مارے نہیں سینوں میں سماتے ہیں خاک بھرے بالوں سے چہرے کو چھپاتے
زینب کا یہ عالم ہے کہ ہیں غش پہ غش آتے سہمے ہوئے بچے یہ ہیں ماؤں کو سناتے
دم ہونٹوں پہ ہے قید کی ایذا و محن سے
کیا گردنیں پھر باندھیں گے جلاد رسن سے

بچے خوف کے مارے بالکل خاموش تھے اور ماؤں کی چھاتیوں سے لپٹے ہوئے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ شمر دروازے پر کھڑا ہے کیا وہ ہمیں پھر طمانچے مارے گا اور دوسری طرف اشقیاء در زنداں پہ کھڑے قیدیوں سے کہہ رہے ہیں کہ اے قیدیوں زنداں میں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ خالق نے تم پہ رحم کیا اب وہ رسن کھول دے گا۔ تم حاکم کو دعا دو۔ اب وہ تم کو خوش کرے گا اور اب وہ تمھیں قتل نہیں کرے گا بلکہ آزاد کردے گا۔

سن کر یہ سخن کہنے لگیں زینب ناچار اک بار تو ہو آئے ہیں مجلس میں گنہگار
کیا کام ہے اب کیوں ہے بلایا سر دربار نے سر پہ ردائیں ہیں نہ ہے طاقت گفتار

لے جا و نہ بلوے میں اسیران ستم کو
گھل گھل کے اسی قید میں مر جانے دو ہم کو

پھر بی بی اپنے دکھ کا اظہار اس طرح کر رہی ہیں۔

میں سوگ میں ہوں کیسی خوشی کیسی رہائی　　کس سے ملوں گی چھوٹ کے جیتے نہیں بھائی
ماں جائے نے گردن تہہ شمشیر کٹائی　　بھائی سے تو اب تا بہ قیامت ہے جدائی
کیا لطف چھٹے قید سے گر پیاروں کو کھو کر
دکھلاوں گی صورت کسے بن بھائی کی ہو کر

بی بی زینب اور امام حسینؑ کی محبت مثالی تھی۔ وہ بھائی کے بغیر جینے کا تصور تک نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ اب رہائی کی کیا آرزو کروں میں تو اسی زندان میں مر جانا چاہتی ہوں۔ اب نہ میرا بھائی عباس دلاور ہے نہ اکبر و اصغر زہراؑ کا بھرا گھر خالی ہو گیا ہے۔ قید سے چھوٹ بھی گئی تو قاسم و اکبر کہاں ملیں گے ہمارے نو جوانوں کو شہید کر دیا گیا۔ میرے بازوؤں میں رسن بندھی میں بے ردا ہوں اب حاکم سے کہو کہ سر دربار بلا کر خلقت کو مری شکل دوبارہ نہ دکھائے اگر اسے ہمارا قتل منظور ہے تو جلاد کو زنداں میں بلا کر میرا سرتن سے جدا کر دے۔ میں بہت خوش ہوں گی کیونکہ فکر، غم واندوہ سے آزاد ہو جاؤں گی۔ مگر عابد بیمار نے پھوپھی سے فرمایا کہ اس وقت تکرار مناسب نہیں دربار میں جا کر دیکھتے ہیں کہ حاکم کیا کہتا ہے۔ شاید بابا کے سر کی زیارت نصیب ہو جائے مگر ان کو خواتین کا حال یہ تھا کہ:

نورانی بدن گرد غریبی سے اٹے تھے
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان پھٹے تھے

جب بیبیاں دربار میں پہنچیں تو ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ انیس کی منظر نگاری دیکھیے:

اس حال سے پہنچے جو وہ بیکس سر دربار　　تعظیم کو مسند سے اٹھا حاکم غدار
کاٹی گئیں جب بیڑیاں اور طوق گراں بار　　گردن کو جھکا رونے لگے عابد بیمار

اس کے بعد حاکم نے عابد بیمار سے کہا کہ یہ سب ابن زیاد کی وجہ سے ہوا ورنہ میں خانہ زہراؑ کو ہرگز برباد نہ

کرتا۔ مجھے بے کسوں کو ستانے میں کیا فائدہ تھا لیکن اب جو ہونا تھا ہو چکا جو مقدر میں لکھا۔ اب آپ کو آزاد کرتے ہیں۔ آپ جس چیز کی خواہش کریں آپ کو فراہم کی جائے گی۔ عابد بیمار نے حاکم سے کہا کہ گو ہم بے سرو سامان ہیں مگر غیروں کا احسان لینا پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مشکلیں آسان کرتا ہے اور ہمیں نہ زنداں سے چھوٹنے کی خوشی ہے نہ ہی وطن جانے کی۔ اب تو ہم کو ایک گھر دے تاکہ ہم وہاں شبیر کا ماتم برپا کر سکیں۔ ہم اپنے بابا کو نہ رو سکے۔ ہماری بہن زندان میں مر گئی اور ہم نہ رو پائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آل نبیؐ ننگے سر ہیں ہمارا لوٹا ہوا اسباب منگا دے ہم اپنے بزرگوں کے تبرکات لینا چاہتے ہیں جس میں محمدؐ کا عمامہ ہے اور بی بی زینبؑ کی کہنہ ردا ہے۔ جب امام حسینؑ کی کہنہ قبا آئی تو حاکم نے طنز کیا کہ شہادت کے وقت آپ کے بابا یہ پوشاک پہنے تھے تو عابد بیکس نے فرمایا یہ تیروں اور نیزوں سے چھلنی ہوئی ہے اور ایسے ہی میرے بابا کا بدن چاک ہوا ہے۔

سب سے زیادہ برا حال خواتین کا تھا وہ صدمہ سے بے حال ہو رہی تھیں حضرت علی اکبر کی پوشاک، حضرت علیؑ اصغر کا شلوکا دیکھ رہی تھیں اور ایسے میں جب ایک کشتی میں رانڈوں کا لوٹا ہوا زیور آیا تو ایک ماں نے اس طرح بین کیے۔

زخمی ہوا ہے بے اسی بندے کے لیے کان کیا قید سے تھا چھوٹنے کا بی بی کو ارمان
دن رات تھا بابا کی نشانی کا تمھیں دھیان گوہر مرے دلوا دو یہی کہتی تھیں ہر آن
ماں تم کو کہاں ڈھونڈے اب جائے سکینہ
گوہر تو ملا تم نہ ملیں ہائے سکینہ

غرض حاکم اظلم نے ایک گھر خالی کروا کے دیا۔ بیبیوں نے تین دن اور تین راتیں اس میں ماتم برپا کیا۔ اہلیان محلہ تعزیت کے لیے آتے پھر امام زین العابدین نے بی بی زینب سے وطن چلنے کے لیے کہا تو بی بی زینب نے فرمایا کہ ہم کربلا سے ہوتے ہوئے مدینہ جائیں گے اور یہی ہوا۔ بیبیاں اپنے پیاروں کو روتی رہیں اور بادل نخواستہ وطن کے لیے روانہ ہوئیں۔

وہاں مدینے میں امام حسینؑ اپنی بیمار بیٹی کو چھوڑ آئے تھے اور ان کا یہ حال تھا۔

غم پدر میں جو صغرا نحیف وزار ہوئی ہوا جو شاہ کو عرصہ تو بے قرار ہوئی

بس ایک ظلم کی برچھی جگر کے پار ہوئی　بڑھا جو رنج و الم چشم اشک بار ہوئی
قرار تھا نہ شہہ مشرقین کے غم میں
قریب گور تھی صغرا حسینؑ کے غم میں

حضرت ام البنین جو بی بی صغرا کی نانی تھیں۔ انہوں نے بی بی صغرا کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ایک دن بی بی نے خواب دیکھا اور بہت روئیں مگر بی بی ام البنین نے آپ کو تسلی دی کہ تم اپنا دل اپنی ہمجولیوں کے ساتھ بہلاؤ جلد ہی تمھاری اپنے بابا اور بھائی علی اکبر سے ملاقات ہوگی ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ:

مریض کو جو ام البنین نے سمجھایا　خموش ہوگئی رونے سے وہ اسیر بلا
کہ ناگہاں کسی عورت نے آن کر یہ کہا　حسین آئے مبارک ہو فاطمہ صغرا
اب آج ہوگی زیارت نصیب سرور کی
سواری آتی ہے شیر خدا کے دلبر کی

میر انیسؔ کی خوبی یہ ہے کہ وہ جب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو اس کی پوری طرح سے منظر کشی کرتے ہیں۔ آپ نے قافلہ کربلا کی وطن واپسی کو اس طرح پیش کیا ہے۔

جب حرم مقتل سرور سے وطن میں آئے　اشک خوں روتے ہوئے رنج و محن میں آئے
سب سیہ پوش غم شاہ زمن میں آئے　خاک اڑانے کو خزاں دیدہ چمن میں آئے
بال تھے چہروں پہ سنبل سے پریشاں سب کے
مثل گل چاک تھے ماتم میں گریباں سب کے

جب یہ حسینی قافلہ مدینہ پہنچا تو ان کے ناقوں کے گرد اہل مدینہ کا ہجوم تھا مدینے کے تمام لوگ جو اس گھرانے کی عظمت جانتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے وہ جمع تھے انیسؔ کی منظر نگاری ملاحظہ کیجئے:

یہ ذکر تھا کہ حرم شاہ کے قریب آئے　اور ایک اونٹ پہ عابد بھی سر کو نہوڑائے
تمام اہل مدینہ یہ رو کے چلائے　تری غریبی کے صدقے حسینؑ دکھ پائے

دلوں پہ داغ الم سب کے دھر گے مولا
گلا کٹا کے جہاں سے گزر گئے مولا

مدینے کے لوگوں نے عابد بیمار سے احوال پوچھنا شروع کیا۔ آپ سب کو بتا رہے تھے کہ میرے بابا، میرے بھائی اور تمام عزیز و اقارب تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کر دیئے گئے۔ عابد بیمار سر کو جھکائے رو رہے تھے اور بی بی زینبؑ اور بی بی ام کلثومؑ اس طرح بین کر رہی تھیں۔

دشت میں سید ابرار کو رو آئے ہیں
اے مدینہ ترے سردار کو رو آئے ہیں

اب تمام اہل حرم روضہ رسولؐ کی جانب بڑھے۔ روضہ رسولؐ پر بی بی زینبؑ نے جو بین کیے وہ دل ہلا دینے والے ہیں اور انیسؔ نے اس منظر کو اس طرح نظم کیا ہے۔

چلے یہ کہہ کر سوئے مرقد رسولؐ انام　اتر کے ناقوں سے اہل حرم بھی آئے تمام
لپٹ کے روضہ سے زینب نے تب کیے یہ کلام　چلی گلے پہ شہ دیں گے ظلم کی صمصام

جگر فگار ہوں نانا فلک ستائی ہوں
میں اپنے بھائی کو جنگل میں کھو کے آئی ہوں

بی بی اپنے نانا کو ساری روداد سنا رہی ہیں اور ہوتا بھی یہی ہے کہ جب انسان دکھی ہو تو اپنے چاہنے والوں کو اپنے دل کا حال سناتا ہے اور یہی حالت بی بی زینبؑ کی تھی۔ آپ فرما رہی تھیں نانا ہمارے سارے عزیز و اقربا مارے گے بھائی کو ذبح کر دیا گیا۔ ہمارے سروں سے ردائیں چھین لی گئیں ہم نے یہ سارے دکھ برداشت کیے اور اب سب کچھ لٹا کے وطن واپس آئے ہیں۔

باب پنجم

میر انیسؔ کے نسائی کرداروں کی تہذیبی سرگرمیاں

میر انیسؔ کے نسائی کرداروں کی تہذیبی سرگرمیاں

فرہنگ آصفیہ جلد اول میں سید محمد دہلوی لکھتے ہیں کہ تہذیب کے معنی ہیں۔ شائستگی، خوش اخلاقی، اہلیت، لیاقت، آدمیت، تربیت، انسانیت اور شرافت۔

مہذب اللغات کے مصنف مہذب لکھنوی نے تہذیب (بیائے معروف) پاکیزگی اور شائستگی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

اردو لغت (تاریخی اصولوں پر) جلد پنجم اردو ڈکشنری بورڈ کراچی نے شائع کی ہے۔ اس میں تہذیب کی مختلف تعریفیں پیش کی گئی ہیں۔ ذہنی ترقی جو زندگی کے چلن میں کارفرما ہو، شائستگی، ادب وتمیز (۱) طرز معاشرت، رہنے سہنے کا انداز، تمدن۔ (۲)

مندرجہ بالا تعریفوں کے پیش نظر میر انیسؔ کا مطالعہ کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ وہ خواتین جو کربلا کے میدان میں ہمیں نظر آتی ہیں اور پوری دنیا کی خواتین کے لیے عملی نمونہ ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے ان نامساعد اور ناگفتہ بہ حالات میں بھی تہذیب و کردار کی کس قدر اعلیٰ مثالیں پیش کی ہیں۔

اردو میں کئی الفاظ اور اصطلاحیں ایسی ہیں کہ انہیں تقریباً مترادف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ تہذیب وثقافت کو بھی اکثر اوقات ہم معنی ہی سمجھا جاتا ہے۔ ثقافت ایک محدود مظہر حیات کا نام ہے جبکہ تہذیب کا پھیلاؤ مقامیت سے نکل کر کسی مکمل خطہ ارض کی پہچان بن جاتا ہے۔

انسانی کرداروں کی تشکیل وتربیت میں ثقافت وتہذیب دونوں کے عوامل کارفرما رہتے ہیں۔ جب ہم رسول اکرمؐ اور ان کی آل کے گھرانے پر نظر ڈالتے ہیں تو عرب تہذیب کے اعلیٰ عناصر اور بنو ہاشم کی ثقافت کے نمایاں پہلو باہم آمیز نظر آتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے کہ کوئی شخص سخی اس وقت کہلائے گا جب وہ سخاوت کا کوئی کام کرے اور شجیع اس وقت کہلائے گا جب وہ شجاعت کا کوئی کام کر کے دکھائے چنانچہ مراثی انیسؔ میں جو کردار ہمیں نظر آتے ہیں ان

۱۔فرہنگ آصفیہ جلد اول   صفحہ نمبر ۶۴۴

۲۔مہذب اللغات جلد سوم   صفحہ نمبر ۳۴۷

۳۔جملات حیدری ۱۹۴۷ء   صفحہ ۱۵

۴۔تہذیب الاخلاق ۱۸۶۷ء   صفحہ ۱۲۱

کے عمل، طرزِ حیات، اندازِ فکر اور آداب معاشرت ہی سے ہم ان کی صفات اعلیا کا تعین کرتے ہیں۔
مثل مشہور ہے کہ انسان کو حضر اور سفر میں پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ رسولؐ اور آل رسول کی زندگی جو مکے اور مدینے سے وابستہ ہے تو وہ حضر کی صورت ہے اور کربلا کے لیے قافلہ حسین کی روانگی سفر کی ایک جہت ہے ان دونوں زاویوں سے وہ کرداری رخ سامنے آتے ہیں جنھیں ہم ثقافتی زندگی اور تہذیبی سرگرمی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

رشتوں کے رنگ

دنیا میں محبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک فطری محبت جو ماں، باپ، بہن، بھائی کے درمیان ہوتی ہے۔ دوسری شعوری محبت جس میں غرض، مفاد اور جنسی کشش کا ایک پہلو ضرور ہوتا ہے۔ جبکہ فطری محبت ان تمام اجزا کے شمول کے بغیر پروان چڑھتی ہے۔

فطری محبت:

امام حسینؑ کے گھرانے میں فطری محبت کے زیر اثر سب سے پہلی اور عظیم مثال حضرت امام حسینؑ اور بی بی زینبؑ کی ہے کیونکہ یہ ایک مثالی گھرانہ ہے اس لیے حضرت علی اکبرؑ اور بی بی صغراؑ کی محبت، حضرت عباسؑ اور بی بی زینبؑ، بی بی سکینہؑ کی حضرت عباسؑ سے اور امام حسینؑ کی بی بی سکینہؑ سے محبت کے بے شمار اظہار میر انیسؔ کے مرثیوں میں نظر آئیں گے۔

امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں خیمے نصب کیے اور اس کے ساتھ لشکر اعدا کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ سات محرم سے پانی بند ہو گیا۔ امام نے فوج اشقیاء سے ایک رات کی مہلت طلب کی تا کہ خدا کی حمد و ثناء میں مصروف رہیں بی بی زینبؑ اپنے بھائی کے لیے بے چین ہیں وہ چاہتی ہیں کہ ان کا بھائی بچ جائے کسی حادثے سے پہلے جس طرح ایک عورت کسی غیبی امداد کی منتظر ہوتی ہے یہی حال بی بی زینبؑ کا ہے خطرہ بھی ہے اور دعا بھی۔

سب بیبیاں موجود ہیں بچوں کو لیے پاس ۔۔۔ ایک ایک کا اندیشہ ہے ایک ایک کا وسواس
جو پوچھتا ہے وجہ تو کہتی ہیں بصد یاس ۔۔۔ لوگو مجھے شبیر کے بچنے کی نہیں آس
مانگو یہ دعا غیب سے بے کس کی مدد ہو
صدقے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رد ہو

بھائی نے بہن کی بے قراری دیکھی بھائی جانتا ہے کہ یہ بہن ان کی قربانی کو ساری دنیا میں پھیلانے والی ہے اب بھائی کی محبت دیکھیے۔

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال؟ نہ سر پہ عصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال؟
ماتھا ہے بھرا خون میں بکھرے ہوئے ہیں بال پیٹو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہ کا لال

دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینب
رو لیجو جب رونے کا وقت آئے گا زینب

بی بی زینب نے اپنے دو بیٹے بھائی پر قربان کر دیئے مگر بھائی پھر بھی نہ بچ سکا اب بہن کی محبت کا اظہار دیکھیے۔

خود رُوں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اٹھانے کے لیے جانے نہ دوں گی

بی بی زینب حضرت عباس سے بھی اتنا ہی پیار کرتی تھیں جتنا امام حسینؑ سے آپ کے بچے میدان جنگ میں جنگ کر رہے ہیں۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ وہ بچوں کو واپس لے آئیں گے بی بی فرماتی ہیں۔

میداں کی طرف قاسم بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباس دلاور بھی نہ جائیں

اسی طرح جب علم حضرت عباس کو ملا تو بی بی زینب بھائی کی خوبیاں بیان کر رہی ہیں اور یہ حضرت عباس کی مکمل تصویر ہے۔

عاشق، غلام، خادم دیرینہ جانثار فرزند بھائی، زینت پہلو، وفا شعار
راحت دساں، مطیع نمودار نامدار جرار، یادگار پدر، فخر روزگار

صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بے مثل سینکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

جب فوج یزید نے نہر فرات پر پہرے بٹھا دیئے اور حضرت عباس مضطرب ہوئے تو بی بی زینب نے فرمایا۔

کھدوائیں کنویں نہر اگر پاس نہ ہوے
دریا کو لگے آگ جو عباسؑ نہ ہوئے

بی بی زینب کو حضرت عباس جیسے بھائی پر بہت مان تھا آپ کو بہت امیدیں تھیں اس لیے بھائی سے کہتی ہیں۔

تم سے بڑی امید ہے زہراؑ کی جائی کو
بھیا تمھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

اسی طرح حضرت علی اکبر اور بی بی صغرا کی محبت ہے کہ جب امام حسینؑ نے سفر کا مصمم ارادہ کر لیا اور یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ آپ اپنی بیمار بیٹی فاطمہ صغرا کو اپنے ہمراہ نہیں لے جائیں گے تو بی بی صغراؑ نے اپنے بابا کی کس طرح خوشامد کی۔

سب ساتھ ہیں، روں گی نہ گھبراؤں گی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

فاطمہ صغریٰ اور علی اکبر کی محبت اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی جسے عشق کہتے ہیں۔ بی بی بھائی کے بچھڑنے کے غم میں رو رہی تھیں جبکہ بھائی کا بھی یہ حال تھا کہ:

یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبر سرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر اس سینے کے ان ہاتھوں کے قربان یہ خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمیں تم سے جدا کرتی ہے بھائی

بہن بھائیوں سے بے حد محبت کرتی ہیں بھائی کا حال دیکھ کر بہن کا لہجہ تبدیل ہوگیا:

بھیا میری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ صدقے گئی جلد آنے کا وعدہ کیے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھلا دیجیو بھائی

اسی طرح بی بی سکینہ جو امام حسینؑ کی نماز شب کی دعاؤں کا نتیجہ تھیں آپ اپنے بابا کی چھاتی پہ سونے والی تھیں۔ جب امام آخری رخصت کے لیے خیمے میں آئے تو کیا دیکھا۔

زینب کی وہ زاری وہ سکینہ کا بلکنا وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بندے کا چمکنا حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

بی بی سکینہؑ اور حضرت عباسؑ کی محبت بھی مثالی محبت تھی۔ حضرت عباسؑ کو اذن وغا صرف اس لیے ملی تھی کہ وہ اپنی بھتیجی کے لیے پانی لے کر آئیں گے جب حضرت عباس میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو کیا منظر تھا:

بانو نے کہا غش سے سکینہ کو جگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر

اب چچا اور بھتیجی کے درمیان جو محبت ہے اس کا اظہار دیکھیے۔

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس اودے ہوئے جاتے تھے لب لعل یہ تھی پیاس
زینب نے کہا آتی ہے لو عاشق عباس عباس نے گودی میں لیا آکے بصد یاس

بہتے تھے جو آنسو خلف شیر خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے

آپ میدان جنگ میں شجاعت سے لڑنے ہونے شہید ہوئے اس وقت خیمے میں بیبیاں دعا کر رہی تھیں۔

دکھ پہنچے نہ کچھ بازوئے شاہ شہدا کو
یا رب تو بچا لیجو سکینہ کے چچا کو

جب حضرت عباس کی شہادت کی خبر بی بی سکینہ کو ملی تو کیا حال ہوا:

کہتی ہے کبھی ننھے سے ہاتھوں کو وہ مل کر کیوں مشک چچا جان کو دی وائے مقدر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر میرے لیے مجروح ہوا ان کا برادر

اور ادھر حضرت عباس نے مشک سکینہ پر دونوں بازو قلم کر دیئے اور جب مشک چھدی تو:

گھوڑے سے گرا خاک پہ سقائے سکینہ
مشکیزے پہ منہ رکھ کے کہا ہائے سکینہ

شعوری محبت: ۔اس محبت کے زیر اثر سب سے پہلے بی بی شہر بانو اور امام عالی مقام کی محبت ہے۔ جب امام آخری رخصت کیلئے آئے تو بی بی نے کیا کہا۔

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار اے ابن فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کو جو لوٹنے آئیں ستم شعار بیٹھے کہاں یہ بے کس و غمگین و سوگوار

کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جایئے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جایئے

امام عالی مقام جو بی بی شہر بانو سے بے پناہ محبت کرتے ہیں انہیں دلاسہ دے رہے ہیں۔

دکھ درد رنڈاپے کا بھی سہہ لیجیو بانو
جو کہنا ہو اللہ سے کہہ لیجیو بانو

اسی طرح حضرت عباس اور زوجہ عباس کی محبت بھی مثالی ہے۔صبح عاشور امام حسین نے اپنی فوج کا علمدار حضرت عباس کو مقرر کیا اور جب علم آپ کو دیا گیا تو زوجہ عباس کا انداز ملاحظہ کیجئے جس میں عجز بھی ہے اور فخر بھی۔

یہ سن کے آئی زوجہ عباس نامور شوہر کی سمت پہلے انکھیوں سے کی نظر
لیں سبط مصطفیٰ کی بلائیں باچشم تر زینب کے گرد پھر کے وہ بولی وہ نوحہ گر

فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

زوجہ عباس جانتی تھیں کہ ان کے شوہر امام سے کیسی والہانہ محبت کرتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ ان کے شوہر کا غصہ کتنے غضب کا ہوتا ہے اس لیے آپ کہتی ہیں۔

آتا ہے غیض جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسین کے صدقے میں جیتے ہیں

حضرت عباس کو جنگ کی اجازت مل گی زوجہ عباس نے حضرت عباس کو ہتھیار سجے میدان جنگ کی جانب رواں دیکھا تو ان کے دل پر کیا گزری۔

غم چھا گیا امید چلی یاس رہ گئی
بس سر جھکا کے زوجہ عباس رہ گئی

حضرت عباس نے وصیت کی تھی کہ ان کی لاش خیمے میں لے کر نہ جائی جائے بعد شہادت سب بیبیاں زوجہ عباس کو زیر علم لائیں مگر لاش نہ آئی جب بی بی شہر بانو نے زوجہ عباس کو بتایا کہ وصیت کے مطابق ان کی لاش خیمے میں نہیں آئے گی تو زوجہ عباس نے کیا کہا۔

مرتے ہوئے نہ چاند سی صورت دکھا گے
کس بات پر کنیز سے صاحب خفا گے

ایک اور شعوری محبت جو کربلا میں موجود تھی وہ ہے فاطمہ کبریٰ اور حضرت قاسم کی محبت آپ ایک رات کی بیاہی ہیں اور حضرت قاسمؑ آپ کے پاس آن کر کہتے ہیں کہ میں میدان کارزار کی طرف جا رہا ہوں تو اس وقت بی بی کبریٰ کا کیا حال ہوا۔

جب یہ سنے کلام تو جی سنسا گیا دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پہ دلہن کے صاف رنڈاپہ سا چھا گیا جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولھا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتانے جاؤ ہمارے نباہ کی

پھر آپ کہتی ہیں کہ میں جانتی ہوں کہ تم رن سے واپس نہیں آؤ گے لہجہ کا دکھ الفاظ میں کیسے ڈھلا:

اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیے
اے شمع بزم مہر و وفا یوں ہی چاہیے

پھر بی بی کبریٰ کہتی ہیں کہ اب باپ، بھائی چچا کسی کی آس نہیں میرے بابا نے مجھے آپ کو سونپا تھا اور اب آپ بھی میرے پاس نہ رہیں گے۔

وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گے
تم کیا کرو نصیب ہمارے الٹ گے

تربیت

آنحضرتؐ کا خاندان ساری دنیا کے لیے ایک بے نظیر مثال ہے۔ اوران خواتین نے اپنے بچوں کی تربیت اس انداز سے کی تھی کہ سب آپس میں محبت ہی سے نہیں رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے جب امام حسین کو کوفیوں نے بہت خطوط لکھے تو آپ نے سفر کا ارادہ کرلیا تو جیسا کہ اس زمانے کا قاعدہ تھا کہ خاندان کے بزرگ بقید حیات ہیں تو اذن سفران کی خدمت میں حاضر ہو کر حاصل کیا جاتا تھا اور اگر وہ رحلت فرما چکے ہوں تو ان کے روضے پر جا کر اجازت طلب کی جاتی تھی۔

یہ عمل رسولؐ اور آل رسولؑ کی تربیت کا ایک حصہ تھا۔ جب امام حسین مدینے سے کربلا کے سفر کے لیے نکلے تو سب سے پہلے نانا کے روضے پر گئے اور فرمایا۔

یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے شاہ ذوالاحترام قبر رسول پر اسی شب کو گئے امام
لپٹے ضریح پاک سے اور یہ کیے کلام رخصت کرو حسین کو یا سید انام
تربت سے آکے جلد لگا لیجے سینے سے
اعدا نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے

اس کے بعد آپ اپنی والدہ کے پاس جاتے ہیں انیسؔ کی منظر نگاری دیکھئے:

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینب برہنہ سر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر بھائی مرا مدینے سے ہے عازم سفر
ملتی نہیں پناہ شہہ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

اسی طرح جب امام نے سفر کا ارادہ کرلیا مگر آپ کی ایک بیٹی فاطمہ صغرا جو بیمار تھیں امام ان کو ساتھ نہ لے جاسکتے تھے اور ان کو تنہا چھوڑ دینا اس سے بھی زیادہ دکھ کا باعث تھا۔

فاطمہ صغرا کا بھی برا حال تھا۔ اکیلے گھر میں رہنے کے تصور سے اپ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ امام بیٹی کے پاس تشریف لائے بیماری میں بھی فاطمہ صغرا کا باپ کو تعظیم دینا ملاحظہ ہو۔

باتیں یہ ادھر تھیں کہ شہ بحر و بر آئے دیکھا رخ ہمشیر کو اور اشک بہائے
ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے روتے ہوئے تشریف شہ دیں وہیں لائیں

بیٹی شہہ ذی جاہ کی تعظیم کو اٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اٹھی

اب باپ بیٹی کو تسلی بھی دیتے ہیں اور اپنے دل کا حال بھی بیان کر رہے ہیں

تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغرا
بے ہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

جب بی بی فاطمہ صغرا کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کو سفر میں ساتھ نہ لے جایا جائے گا تو آپ نے اپنے بابا کی خوشامد کی۔

بے آپ کے اس گھر میں نہ یاشاہ رہوں گی
اچھا میں کنیزوں ہی کے ہمراہ رہوں گی

بی بی صغرا نے ماں، پھوپھی، بابا، بھائی، چچا سب سے التجائیں کیں مگر پھر کہتی ہیں۔

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

بچوں کی تربیت:

امام عالی مقام جب کربلا پہنچے اور علم دینے کا مرحلہ آیا تو بی بی زینب کے بچے یہ توقع رکھتے تھے کہ علم ان کو ملے گا کیونکہ وہ جعفر طیار کے پوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت زینب کی بردباری، تحمل مزاجی سب چیزیں اس ایک بند میں نظر آتی ہیں۔

پھر کر ادھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر سمجھیں علم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
ہٹ کر کیا اشارہ کہ "آؤ ذرا ادھر" آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
بولیں کہ اب نہ ہوش نہ مجھ میں حواس ہیں
قرباں جاؤں کیا ہے جو چہرے اداس ہیں

یہاں ماں کا اشارے سے بچوں کو بلانا، اس کے بعد ان کے چہروں کی اداسی کو محسوس کرنا بالکل حقیقی جذبات ہیں۔ بی بی زینب نے بچوں کی نفسیات کو جانتے ہوئے ان کے معصوم ذہنوں کو دوسری طرف مائل کیا تاکہ وہ علم کے غم کو بھول جائیں۔

شب سے تو صبح تک یہ دعا تھی ہر ایک پل تیغوں سے پہلے ہم کو کرے سرخرو اجل
اب کیا ہوا یہ کون سا غصے کا ہے محل آنکھوں سے اشک رخ پہ عرق ابروؤں پہ بل
وہ خوش مزاجیاں نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

بحیثیت ماں جناب زینب اپنے بچوں سے یہ توقع رکھتی ہیں کہ اس نازک وقت میں جب وہ اپنے چاہنے والے بھائی کے لیے پریشان ہیں کوئی ان کی حالت کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر ان کے بیٹوں کو ضرور ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ ماں کی فطرت میں یہ شامل ہوتا ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ اس کے بچے بغیر کچھ کہے سنے ماں کے دل کا حال جان لیں مگر جب ماں جان لیتی ہے کہ شاید اولاد نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تو پھر اپنا دل کھول کر اولاد کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ یہی بی بی زینب نے کیا۔

جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصے کی آنکھ کاہے کو پہنچاتی ہوں میں

س کے بعد بعد بی بی زینب عام عورتوں کی طرح اپنے بچوں کو اپنے دودھ کی قسم دے کر کہہ رہی ہیں کہ منہ سے کچھ نہ کہنا ورنہ مجھے بہت دکھ ہوگا۔ یہاں وہ صرف ایک ماں نظر آ رہی ہیں جو بچوں کا دل توڑنا بھی نہیں چاہتیں اور یہ بھی نہیں چاہتیں کہ کوئی ان کے بچوں کے حال سے واقف ہو۔

صدقے گئی خلاف ادب کچھ سخن نہ ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو

جب دونوں بچے میدان کارزار میں شجاعت کے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے اس وقت بھی بی بی کو اپنے بھائی کی فکر تھی اور علی اکبر کی سلامتی پیش نظر تھی۔

اب ان کا غم نہ فکر مرے گھر کی چاہیے
بی بی سلامتی علی اکبر کی چاہیے

یہ گھرانہ نبی کا گھرانہ ہے جہاں آپس کے رشتے تو اہم ہیں ہی مگر اس میں مہمان کی عزت کس طرح کی جائے۔ دوستوں کے ساتھ کسا رویہ ہونا چاہیے ان سب چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جناب حر جب لشکر یزید سے حسینی قافلے میں آ شامل ہوئے تو امام کو بہت دکھ تھا کہ ان کی مہمانی نہ ہو سکی۔ امام اپنے ہر دوست کی لاش کو در خیمہ پر لائے اور بیبیوں سے فرمایا کہ ان کا ماتم اسی طریقے سے کرو جیسے اپنے عزیزوں کا کیا جاتا ہے۔ یہاں بی بی زینب کے کردار کی خوبی یہ ہے کہ اپنا پردہ بھی برقرار رکھا جب حر کی لاش آئی تو کیا ہوا۔

دختر فاطمہ سامان عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے ادھر آ کے بکا کرنے لگی

پھر امام عالی مقام کا بھی اپنا ایک الگ انداز ہے آپ فرماتے ہیں:

شاہ چلائے کہ اے زینب و ام کلثوم ہم بھی مظلوم ہیں مہماں بھی موا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمہیں ہے معلوم کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم

اجر ہوگا تمھیں اشکوں سے جو منہ دھوگی
اس کو یوں روو کہ جس طرح مجھے رووگی

حفظ مراتب

ہمارے نبیؐ کا خاندان بے مثل ہے اور یہاں حفظ مراتب کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ عرب کے جاہل معاشرے میں خواتین کے احترام کا تصور تک موجود نہ تھا۔ ایسے میں ہمارے نبیؐ کی آمد نے خواتین کا احترام سکھایا۔ ہمارے نبیؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ الزہرا کا استقبال ہمیشہ کھڑے ہو کر کرتے تھے اور یہیں سے خواتین کا رتبہ بلند ہونا شروع ہوگیا۔ آج بھی اسلام میں ماں، باپ، بہن، بھائی بیٹی کا جو مقام ہے وہ کسی اور مذہب میں اس طرح رائج نہیں۔ میر انیس نے اپنے مرثیے میں اس منظر کو اس طرح پیش کیا۔

تعظیم فاطمہ کو اٹھے سید البشر
دیکھا کہ چشم فاطمہ ہے آنسوؤں سے تر

جس خاندان میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور بی بی فاطمۃ الزہرا جیسی تربیت کرنے والی خواتین ہوں۔ اس گھرانے میں حفظ مراتب کی اعلیٰ مثالیں ہی موجود ہوں گی۔ حضرت امام حسینؑ جب آخری رخصت کے لیے آئے اور بہن سے الوداعی ملاقات کر رہے ہیں تو بہن پوری زندگی بھائی کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ میر انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ ایک بند میں بی بی کے احساسات و جذبات کو مکمل طور پر سمو دیا ہے۔

اس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اٹھائے اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہالے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے ٹکڑے دل شبر کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

جب امام اپنے اسپ وفادار پر سوار ہو کر میدان جنگ کی جانب جانا چاہتے ہیں تو آپ کا رہوار ایک قدم آگے نہیں بڑھاتا آپ نے جھک کر نیچے نظر کی تو یہ منظر نظر آیا۔

جھک کر جو پشت زیں سے شہہ دیں نے کی نظر دیکھا سموں سے لپٹی ہے زینب برہنہ سر
کہتی ہے آنکھ مل کے قدم پر وہ نوحہ گر اے ذوالجناح دختر زہرا پہ رحم کر
پاؤں گی پھر نہ فاطمہ کے نور عین کو
لے جا نہ تو بہن سے چھڑا کر حسین کو

بی بی زینب جتنی محبت امام حسین سے کرتی تھیں اتنی ہی بھائی عباس سے وہ اپنے بھائیوں کے مزاج سے واقف تھیں

اس لیے جب حضرت عباس کو اذن وغا نہیں مل رہی آپ کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں بی بی کتنی محبت سے بات کر رہی ہیں۔

آخر کھلے گا سب پہ کوئی واردات ہو
مجھ سے الگ کہو جو چھپانے کی بات ہو

اور جب حضرت عباس نے بہن کو بتایا کہ امام حسین ان کو میدان کارزار میں جانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں تو زوجہ عباس جو نہ صرف اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہیں بلکہ بی بی زینب کا بھی بے حد احترام کرتی ہیں لہجہ ملاحظ فرمایئے۔

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوشخصال وہ کونسی ہے بات کہ جس کا ہے یہ ملال
قسمیں جناب دیتی ہیں تم کو نہیں خیال صاحب بڑی بہن سے کہو اپنے دل کا حال
صدقہ انہی کا سب ہے کہ پھولے پھلے ہو تم
بیٹوں کی طرح گود میں ان کی پلے ہو تم

اب حضرت عباس کا سب سے بڑا دلی سہارا بی بی زینب ہیں اس لیے آپ نے اپنے دل کا سارا دکھ درد بہن سے کہہ دیا تو بی بی زینب کا نسائی لہجہ اور میر انیس کا انداز:

زینب نے تب کہا کہ یہ آزردگی ہے لو معلوم اب ہوا مجھے مطلب ہے ان کا جو
کیوں کر کہوں کہ بھائی کو مرنے کا اذن دو اچھا بلا کے کہتی ہوں آگے جو ہو سو ہو
رونا ادھر۔ ادھر کو غریبی و یاس ہے
ان کا بھی درد ہے مجھے ان کا بھی پاس ہے

ادھر امام حسین کو بھی بھائی کی آزردگی کا خیال ہے۔ اس لیے وہ علی اکبر کے ساتھ خیمے میں آتے ہیں کہ حضرت عباس کو منالائیں۔ مگر جب امام نے حضرت عباس سے پوچھا کہ کس بات پر خفا ہو تو حضرت عباس نے فرمایا کہ میں آپ کا غلام ہوں میری یہ جرات نہیں کہ آپ سے خفا ہوں۔ البتہ بی بی زینب دونوں بھائیوں کے مزاج سے آشنا ہیں اس لیے فرماتی ہیں۔

حضرت کے منہ کو دیکھ کے زینب نے یہ کہا آپ ان پہ شیفتہ ہیں یہ ہیں آپ پر فدا
صدقے بہن ہو بھائی انہیں دیجیئے رضا دنیا میں اور بھی ہے کوئی ایسا باوفا
مثل علی جہاں کے شجاعوں کے تاج ہیں
ظاہر ہے آپ پر کہ یہ نازک مزاج ہیں

بی بی زینب کے بچے شہید ہو گئے اب حضرت قاسم سوچ رہے ہیں۔

افسوس کہ پہلے ہی نہ کیوں مر گیا قاسم
اماں نہ کہیں دل میں کہیں ڈر گیا قاسم

ماں نے جو دیکھا کہ ایک کے بعد ایک سب لشکر ختم ہو رہا ہے تو ماں بیٹے سے اس طرح مخاطب ہوئیں۔

لشکر ہوا سب قتل امام دوسرا کا
کیا وجہ جو تم نے نہ کیا قصد و غا کا

پھر لہجہ تبدیل ہو گیا:

اب دیر مناسب نہیں مرنے میں مری جاں   روتی ہے دلہن مل کے سدھارو سوے میداں
یہ سن کے اٹھے خاک سے بس قاسم ذی شاں   آیا جو بنی پاس بنا مضطر و حیراں
دیکھا تو جب حال ہے اس رشک چمن کا
دل ہل گیا گھونگھٹ نظر آیا جو دلہن کا

اب حضرت قاسم بی بی کبریٰ سے باتیں کرنے کو بھی کہہ رہے ہیں اور ساتھ ہی ان کو یہ بھی بتا رہے ہیں کہ دیکھو مرنا ضروری ہے کیونکہ:

زہرا و محمدؐ سے ندامت کی گھڑی ہے
اور حضرت شبر سے خجالت کی گھڑی ہے

دلہن بھی جانتی ہے کہ آئندہ کیا ہونے والے ہے اس لیے کہتی ہیں

ہو دھوپ میں صاحب کا تن زار زمیں پر
صندل کے عوض خاک رہے اپنی جبیں پر

میدان کربلا میں موجود خواتین نہ اپنے وارثوں کو بچانا چاہتی تھیں نہ ہی اپنی اولاد کو ہر خاتون یہ چاہتی تھی کہ اس کے بچے امام حسین پر فدا ہو جائیں اور امام کی جان بچ جائے۔ یہ ہے ایک اعلیٰ گھرانے کی تربیت کہ بچے ماؤں کی نصیحت سنتے بھی ہیں اور اس پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔ جب بی بی زینب کے بچے شہید ہو گے تو حضرت قاسم کی والدہ نے سوچا اب اذن کارزار حضرت قاسم کو ملنا چاہیے یہ سوچ کر:

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال   قاسم کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسن مجتبیٰ کے لال   کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشک خوں مری چشم پر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

یہی حال حضرت ام فروا کا ہے آپ چاہتی ہیں کہ ان کا بیٹا علی اکبر اور عباس دلاور سے پہلے شہید ہو جائے فرماتی

ہیں نسائی لہجہ۔

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے　　دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر کٹائے　　کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھنے کو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے

اسی طرح جب امام حسین سے عباس دلاور جدا ہوئے اور علی اکبر جنگ کی رضا لینے کے لیے آئے تو ماں اس بات پر بے چین ہیں کہ علی اکبر باپ کو رن میں تنہا کیوں چھوڑ آئے اور اس جذبے کا اظہار آپ کس پیرائے میں فرما رہی ہیں بھرپور نسائی لہجہ ہے۔

میں مر گئی تھی کیا جو چلے آئے بے حواس　　چھوڑا ہے کس کو تیغوں میں سبط نبی کے پاس؟
ہَے ہَے یہ دکھ یہ رنج یہ صدمے یہ بھوک و پیاس　　کیا کہتے ہوں گے دل میں شہنشاہ حق شناس؟
کس کی مدد امام دو عالم نے کی نہیں
سچ ہے مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں

پھر آپ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں جوان بیٹا باپ کو تنہا چھوڑ آیا ہے جبکہ میرے والی و وارث کے خون کے پیاسے افراد انھیں گھیرے ہوئے ہیں پھر بے بسی سے فرماتی ہیں۔

کیا وقت ہے نثار شہ مشرقین کے
کاٹے مرا گلہ کوئی بدلے حسین کے

پھر آپ بیٹے سے فرماتی ہیں:

جینا ہے تب جو فاطمہ کا مہ لقا جیئے
اچھا پدر کو کھو کے جیئے گر تو کیا جیئے

اس وقت میں ان کو صرف امام کی حفاظت کی فکر ہے وہ ان کے قائم رہنے کی آرزو کر رہی ہیں اپنے جوان بیٹے سے وہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ وہ امام حسین کو اس آفت سے بچالے اور ان کا نام روشن ہو جائے انیس کا انداز دیکھئے۔

گھر کیسا؟ ماں کہاں کی تمھیں کیا کسی سے کام　　نیزوں میں باپ گھر میں جگر بند تشنہ کام
اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوے امام　　پھر آبرو رہے گی مری اور تمھارا نام؟
ماں ہو کے میں کہوں تمہیں مطلق نہ دھیان ہو
جاو سدھارو نام خدا اب جوان ہو

اب جب پسر واقعی میدان کارزار کی طرف سدھار رہا ہے تو ماں کو یقین ہو گیا کہ میرا لال اپنی جان امام پر فدا کر

دے گا۔اب ماں کا دل ہے یہ خیال بھی آ رہا ہے کہ کہیں اکبر خفا تو نہیں ہو گے۔اس لیے بیٹے سے پوچھتی ہیں کہ میرا لال خفا تو نہیں ہو گیا مگر تربیت یافتہ بیٹا جو جواب دیتا ہے وہ قابل توجہ ہے۔

صدقہ یہ آپ کا ہے کہ عالی مقام ہوں
خادم ہوں جانثار ہوں ادنیٰ غلام ہوں

تخاطب

عام بول چال میں تخاطب کی بے ساختگی خاص اہمیت رکھتی ہے فارسی اور عربی کے زیر اثر برادر، پدر، پسر، مادر اور دیگر صیغے استعمال ہوتے رہے لیکن برصغیر پاک و ہند کے مقامی معاشرے میں جو الفاظ رائج تھے وہ بھیا، بہنا، عمو، والی، وارث، میر انیسؔ سے قبل یہ الفاظ اردو شاعری میں استعمال نہیں ہوئے تھے حالانکہ مثنویات میں ان کی گنجائش موجود تھی۔ان الفاظ کے ذریعے وہ کلچر بھی نمایاں ہو گیا جس سے رشتوں کی بے ساختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ عرب معاشرے میں وہ انداز تخاطب موجود نہ تھا جو برصغیر پاک و ہند کے معاشرے میں موجود تھا۔ایسا نہیں کہ میر امن، رجب علی بیگ سرور یا شعرا میں میر تقی میر یا نظیر اکبرآبادی نے وہ الفاظ استعمال نہ کیے ہوں جو میر انیسؔ نے اپنے مراثی میں استعمال کیے۔لیکن میر انیسؔ نے حسب موقع ان الفاظ کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ وہ آج تک مستعمل ہیں مثلاً اماں، بابا، بھینا، بھیا، عمو وغیرہ

جب امامؑ عازم سفر ہو رہے تھے اور اپنی بیٹی فاطمہ صغریٰ کو مدینے ہی میں چھوڑ کر جا رہے تھے اور بی بی ساتھ چلنے کی خواہش کر رہی تھیں مگر بابا کے انداز کو سمجھ گئیں کہ وہ انہیں لے کر نہیں جائیں گے تو آپ فرماتی ہیں۔

اب روح مری جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

اسی طرح اپنے بھائی علی اکبر جن سے وہ بے تحاشہ محبت کرتی تھیں جب آنکھوں سے اشک برساتے ہوئے آئے تو بہن نے بھائی کو کیسے پیار سے تسلی دی۔

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ

لیکن جب قافلہ چلا تو آپ دل پہ قابو نہ رکھ سکیں اور ناقے کے پاس آ کر پکاریں۔

قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر ایک بار دکھا دو

اسی طرح جب حضرت عباس نہر کے کنارے خیمے بپا کرنا چاہتے تھے اور فوج یزید نے ان کو منع کر دیا تو آپ کو

امام بہت محبت سے واپس لائے اس موقع پر بی بی سکینہ جو اپنے چچا پر فدا تھیں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتی ہیں۔

منہ رکھ کے منہ پہ بالی سکینہ نے یہ کہا
عمو کو میرے پھیر کے لایا مرا خدا

بعد شہادت حسین بی بی زینب نے بھائی کا سر نوک نیزہ پہ دیکھا تو چلائیں۔

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
چلا رہی ہے دختر حیدر جواب دو

اسی طرح دو اشعار جس میں بی بی امام کو مخاطب کر کے اپنی بے بسی، بے چارگی اور دکھ کا ظہار کر رہی ہیں۔

گردن پہ تو بھینا کی پھرایا نہیں خنجر
لاشہ تو مرا دھوپ میں جلتا نہیں دن بھر

تم تشنہ دہن ذبح ہوئے مجھ کو یہ غم ہے
اور آپ کو بھینا کی اسیری کا علم ہے

بی بی شہر بانو جو امام عالی مقام سے بے پناہ محبت کرتی ہیں امام سے فرما رہی ہیں کہ میں نے اپنے جواں سال بیٹے علی اکبر کو مرنے کی رضا اس لیے دی تھی کہ آپ میرے سر پہ سلامت رہیں مگر اب اکبر بھی جدا ہو گئے، اور اب آپ بھی شہید ہونے جا رہے ہیں میرا مقدر کیسا ہے کہ نہ بیٹا رہا نہ شوہر۔

ان قدموں سے چھٹنے کا قرینہ نہیں اچھا
بے وارث و بے آس کا جینا نہیں اچھا

رسم ورواج شادی بیاہ کے ارمان

عورتوں کی نفسیات ہمیشہ مختلف ہوتی ہے۔ وہ معاملات زندگی کو زیادہ احسن طریقے سے نبھا لیتی ہیں۔ ان کی نفسیات کے مختلف پہلو ہوتے ہیں وہ بیٹا ہو یا بھائی گلے سے لپٹانا، دعائیں دینا اور سب سے زیادہ اہم بات بیٹا ہو یا بھائی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی ہے کہ وہ جوں جوں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنا شروع کرتا ہے اور وہ ان کے بیاہ کی تمنا کرنے لگتی ہیں۔

کربلا کی خواتین بھی ماں تھیں بہنیں تھیں انھیں بھائیوں اور بیٹوں کے سر پہ سہرا دیکھنے کی آرزو تھی اس لیے میرانیسؔ نے بھی ہر عمر کے لڑکوں کی ماں کے ارمانوں کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

ایک ماں اپنے بیٹے کو کن مشکلات سے گزر کر پروان چڑھاتی ہے اس شعر کو پڑھ کر اندازہ ہوگا عورتوں کا خاص لہجہ نمایاں ہے۔

شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر

اب ہم سب سے پہلے بی بی صغریٰ جن کو اپنے بھائی علی اکبر کا سہرا دیکھنے کی تمنا ہے بھائی سے کیا کہہ رہی ہیں۔

وہ دن ہو کہ بوٹا سی تمھاری دلہن آئے　　جلدی کہیں یا حضرت باری دلہن آئے
سب پھولوں کے گہنوں میں سنواری دلہن آئے　　تم جیسے ہو بس ویسی ہی پیاری دلہن آئے
ہمشیر کو تربت میں نہ ترسائیو بھائی
بھابھی کو مری قبر پہ لے آئیو بھائی

اسی طرح بی بی زینب کے بیٹے گو عمر میں چھوٹے تھے مگر بی بی سکینہ نے ان کے بارے میں بی بی زینب سے کتنے محبت بھرے انداز میں نیگ لینے کی آرزو بیان کی۔

حق ہے مرا جھگڑا میں کیے بن نہ رہوں گی
خوش ہو کہ خفا نیگ لیے بن نہ رہوں گی

ہر بہن کو بھائی کی شادی میں نیگ لینے کی تمنا ہوتی ہے۔ بہنیں ایسے موقعوں پر خوب جھگڑتی ہیں مگر بی بی زینب کے بیٹے ماموں پر فدا ہو گئے بی بی زینب نے کیسے آہ وزاری کی۔

لاکھوں سے معرکے میں وفا کر کے آئے ہو　　بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو
دولہا بنے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو　　صدقے گئی رلانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل میں رہ گئے
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

پھر آپ فرماتی ہیں ماں کا بے بس لہجہ

بچوں تمھیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا
حسرت رہی ماں نے تمہیں دولھا نہ بنایا

ایک ماں ہی کا دل ایسا ہوتا ہے جو اپنا سارا درد اولاد کے سامنے رکھ دیتی ہے اور اگر بچے اس دنیا سے ارمان بھرے چلے جائیں تو بچوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں۔

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم دروازے پہ دم بھر کے لیے آ نہ گئے تم
ہَے ہَے دولھنیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم پیاسے تھے مگر جانب دریا نہ گئے تم

جیتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مر جانے کے دن تھے

اس گھرانے کی تربیت یہ تھی کہ ہر عورت دوسری عورت کے سہاگ اور کوکھ ٹھنڈی رہنے کی دعائیں کر رہی تھی جب علمدار کو علم ملا تو بی بی زینب نے زوجہ عباس کو بہت ساری دعائیں دیں اور زوجہ عباس نے جواباً کہا۔

بچے جئیں ترقی اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

پھر آپ فرماتی ہیں کہ خدا کرے ہم اپنے وطن واپس جائیں مدینے میں شور ہو کہ حسینؑ سفر سے واپس آ گئے اور علی اکبر کو جلد شب عروسی دیکھنا نصیب ہو۔

مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلھن کو بیاہ کے تاروں کے چھاؤں میں

حضرت علی اکبر جو اٹھارہ برس کے تھے ماں کو تو سہرا دیکھنے کی تمنا تھی ہی مگر آپ کو پالا بی بی زینب نے تھا اور اپنی اولاد سے زیادہ علی اکبر سے محبت کرتی تھیں۔

جب علی اکبر سینے پہ سناں کھا کر شہید ہو گئے تو ماں نے مختلف طریقوں سے اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔

اب گھر میں مرے کس کی دلہن آئے گی اکبر
ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنائے گی اکبر

ہر ماں کو اپنے بیٹے کی دلہن لانے اور بیاہ کا جوڑا پہنانے کا ارمان ہوتا ہے مگر کربلا کے میدان میں گود کے پالے ماؤں کے سامنے شہید ہو گئے اور ماں اپنے تمام ارمانوں کو خاک میں ملتا دیکھتی رہی۔ خصوصاً حضرت علی اکبر ایسے جوان تھے کہ ماں، پھوپھی، بہن ہر ایک کو ان کی شادی کا ارمان تھا مگر جب آپ شہید ہو گے تو ماں کے ارمان اس طرح مجسم کر کے انیسؔ نے پیش کیے۔

ہَے ہَے نہ ترا بیاہ رچانا ہوا نصیب ہَے ہَے دلہن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
پوتے کو گود میں نہ کھلانا ہوا نصیب شادی کے بدلے خاک اڑانا ہوا نصیب
ندی لہو کی چاند سی چھاتی سے بہہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

آگے چل کر آپ فرماتی ہیں۔

دادی کی ملاقات کے شائق ہوے بیٹا
موت آگئی جب بیاہ کے لائق ہوے بیٹا

رنڈاپا:

عورت کی سب سے بڑی نفسیات یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔ اس کی مطیع و فرماں بردار ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے والی و وارث کی ساری مصیبتیں اسے سر لینے کو تیار رہتی ہے کہ اس کے شوہر پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

یہ مثالی خاندان اپنا ایک خاص مزاج رکھتا ہے۔ یہاں بیویوں کو اپنے شوہروں کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتی ہیں کہ انھیں کون سے جذبے کا کس انداز سے اظہار کرنا ہے۔ بڑوں کا احترام کرتے ہوئے کیسے شوہروں کا بھی دل رکھنا ہے۔ سب سے بڑا اور اہم مقصد میدان کربلا میں جو نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ عورت شدید محبت کے باوجود اپنے شوہر کو امام پر قربان کر دینا چاہتی ہے تا کہ اس کا نام اونچا ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رانڈاپے کے دکھ کو بھی اسی طرح محسوس کر رہی ہے جیسے کہ ایک عام عورت محسوس کرتی ہے جبکہ ہر مرد اپنی بیوی کو اس صدمہ جانکاہ کو برداشت کرنے کے لیے پہلے سے تیار کر رہا ہے۔

امام عالی مقام بی بی شہر بانو سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اب جب امام اپنی شہادت کی خبر دے رہے تو بی بی بہت فخریہ انداز سے اپنی حیثیت اور اس کے بعد اپنے آپ پر ٹوٹنے والی قیامت کو اس طرح بیان کر رہی ہیں۔

دنیا میں کسی نے بھی ہے یہ مرتبہ پایا خاتون قیامت نے دلہن مجھ کو بنایا
سرگوندھ کے سرمہ مری آنکھوں میں لگایا پوشاک پہنا کر مجھے مسند پہ بٹھایا
اب رانڈ بہو ہوتی ہے زہرا و علیؑ کی
لٹتا ہے مرا راج دہائی ہے نبیؐ کی

جب امام کا تمام لشکر راہ حق میں شہید ہو گیا اور آپ آخری رخصت کیلئے خیمہ میں آئے اور حضرت شہر بانو کو رنڈاپے کا پیغام ملا تو کیا منظر تھا۔

پیغام رانڈاپے کا سنا شاہ سے جس دم
یہ روئی کہ بے ہوش ہوئی بانوے پر غم

پھر بی بی شہر بانو فرماتی ہیں

اٹھتا ہے مرے شاہ کا سایہ مرے سر سے
لوگو میں چھٹی جاتی ہوں زہراؑ کے پسر سے

حضرت عباسؑ باوفا بھائی ہیں میدان کارزار میں جانے سے پہلے زوجہ کو تسلی دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو امام آقا ہیں میں غلام ہوں تم اس طرح اشک برساؤ گی تو میرا نام اونچا نہیں ہوگا۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں تم صبر سے کام لینا اور اگر امام عالی مقام سے کچھ پوچھیں تو یہ کہنا:

پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہو تم کو رنڈاپا قبول ہے

حضرت عباس جنگ کے میدان میں شجاعت کے جوہر دکھلا رہے ہیں اور جب آپ نرغہ اعدا میں گھر گئے تو زوجہ عباس نے بی بی زینب سے کہا۔

زینب سے عرض کرتی ہے رو رو کے دل فگار ہَے ہَے یہ شور نہر پہ کیسا ہے؟ میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

اور جب شانے کٹا کے علمدار شہید ہو گے۔ خوں بھرا علم خیمے میں آیا تو زوجہ عباس کا کیا حال تھا۔

زیر علم تھا زوجہ عباس کا یہ حال ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی یتیم ہوے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گے مجھے عباس خوش خصال
ہَے ہَے علی کا نور نظر مجھ سے چھٹ گیا
میں رانڈ ہوگئی مرا اقبال لٹ گیا

جن خواتین کو کربلا میں رنڈاپہ کا سامنا کرنا پڑا اس میں سب سے زیادہ اہمیت امام کی بیٹی بی بی کبریٰ کی ہے جو ایک رات کی بیاہی ہیں۔ حضرت قاسم کی والدہ چاہتی ہیں کہ اس مشکل وقت میں ان کا بیٹا بھی امام پر قربان ہو۔ جب حضرت قاسمؑ بی بی کبریٰ سے اجازت مانگنے آتے ہیں تو وہ کیسے کہہ رہی ہیں۔ الفاظ جن میں ساس کا احترام بھی ہے اور صبر کا جذبہ بھی۔

میں کون ہوں بھلا جو کہو گی کہ تم نہ جاؤ راضی ہیں ماں تمہاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ نبھ جائے گا ہمارے رانڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تن پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

اس کے بعد حضرت قاسم میدان جنگ کو روانہ ہو گئے اور شہید ہونے کے بعد ان کی لاش پامال ہو گئی۔ اس بند میں انیسؔ نے بزرگوں کی شان، رسم و رواج سب بیان کر دیئے ہیں۔

بانو نے کہا لاش پہ لے آؤ دولہن کو اب شرم سے کیا فائدہ سمجھا وہ دولہن کو
دولھا کا جو کچھ حال ہے دکھلاؤ دولہن کو جوڑا کوئی رنڈ سالے کا پنہاؤ دولہن کو
صف ماتمی بچھوا کے یہ مسند تو اٹھاؤ
اے صاحبو نتھ ناک سے کبریٰ کی بڑھاؤ

جب بی بی کبریٰ کو حضرت قاسمؑ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کا کیا حال ہوا۔

یہ کہہ کہ نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار ہے ہے بہن بڑھاو نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

حضرت قاسمؑ کی والدہ کی حالت الگ تباہ تھی جب ان کے پاس یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کیا کیا دو بندوں میں انیسؔ نے دلی کیفیات کو بیان کیا ہے۔

لپٹی دلہن سے دولھا کی ماں پھینک کر ردا کہتی تھی میں نہ مرگئی ہے ہے ہوا یہ کیا
بچپن میں رانڈ ہو گی تو وا مصیبتا ناشاد و نامراد بہو میں ترے فدا
یہ داغ تھا نصیب میں مجھ سوگوار کے
رنڈ سالہ پہنو بیاہ کا جوڑا اتار کے

ماں نے دولھا کی جو سر پیٹ کے یہ بات کہی دل پہ صدمہ ہوا گھونگھٹ میں دلہن رونے لگی
کہا زینب سے سنبھالو مجھے اس وقت پھوپھی ضبط کیوں کر کروں چلتی ہے کلیجے پہ چھری
الٹو گھونگھٹ مرا دل سینے میں گھبراتا ہے
اب کوئی آن میں دم تن سے نکل جاتا ہے

اس کے بعد میر انیسؔ نے جو بند تحریر کیا وہ اک رات کی بیاہی کے ارمانوں کی مکمل تصویر ہے۔

صاحب بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں بے کس کہوں کہ فدیہ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں، شہید کہوں یا بنا کہوں دولھا کہوں کہ قاسم گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولھا کو کیا کہہ کے روتی ہے

میر انیس کے نسائی محاورے

ضرب الامثال اور روزمرہ

میر انیس کے نسائی محاورے ضرب الامثال اور روزمرہ

ہر زبان میں اظہار کے مختلف پیرائے موجود ہوتے ہیں جو انسانی جذبات ومحسوسات کو بیان کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ زبان میں اظہار کے جو ذرائع استعمال ہوتے ہیں انہیں ماہرین نے روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل میں تقسیم کیا ہے۔ ہر لسانی معاشرے کا ایک معیار ہوتا ہے جسے اردو والوں نے ٹکسال کا نام دیا۔ جس طرح ٹکسال میں سکے ڈھالے جاتے ہیں اسی طرح لسانی معاشرے میں روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل کے استعمال پر غور کیا جاتا ہے۔ جس طرح کھوٹے سکے ٹکسال باہر ہو جاتے ہیں اسی طرح غریب، نامانوس اور غیر معیاری الفاظ رد کر دیے جاتے ہیں اردو میں اس کی روایت اصلاح زبان کی روایت کہلاتی ہے جو امیر خسرو سے لے کر ناسخ اور بعد کے شعراء تک جاری رہی۔

روزمرہ کا تعین اہل زبان کرتے ہیں اور اسی طرح محاورہ اور ضرب المثل بھی لسانی معاشرے ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ رورہا تھا تو یہ روزمرہ ہے لیکن اگر کہیں کہ اس کی آنکھ بھر آئی تو یہ محاورہ ہے یعنی محاورے میں استعارے کا استعمال ہوتا ہے جہاں تک ضرب المثل کا تعلق ہے یہ کسی وقت کسی خاص واقعے کی دین ہوتے ہیں اور کبھی خود بخود معرض وجود میں آجاتے ہیں مثلاً ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ایک خاص کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن ٹیڑھی کھیر، یک نہ شد دو شد، بندر کی بلا طویلے کے سر کی ضرب الامثال کے پیچھے کوئی نہ کوئی واقعہ موجود ہے۔

ہماری زبان کے بڑے لکھنے والوں نے ایک زمانے میں محاورے اور روزمرّہ پر خاص توجہ دی تا کہ زبان دانی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کا صحیح مفہوم ذہنوں میں موجود رہے۔

۱۔ مقدمہ شعروشاعری ، ص ، ۱۵۷

۲۔ مقدمہ شعروشاعری ، ص ، ۱۵۸

محاورہ:

مولانا حالی نے محاورہ کے ضمن میں چند اہم نکات مقدمہ شعروشاعری میں بیان کیے ہیں:

۱۔ اردو میں شعراء نے استعارہ کا استعمال زیادہ تر محاورات کے ضمن میں کیا ہے کیونکہ اکثر محاورات کی بنیاد اگر غور کر کے دیکھا جائے تو استعارے پر ہوتی ہے۔

۲۔ لغت میں محاورہ بات چیت کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ بات چیت اہلِ زبان کے روزمرہ کے موافق ہو یا مخالف۔ اصلاح میں خاص زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے۔

۳۔ پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جائے۔

۴۔ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ترکیب جس پر محاورہ کا اطلاق کیا جائے قیاسی نہ ہو بلکہ معلوم ہو کہ اہل زبان نے اس کو کس طرح استعمال کیا ہے۔

۵۔ محاورے کا اطلاق خاص کر ان افعال پر کیا جاتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

روزمرہ:

۱۔ کسی زبان میں مفرد الفاظ اس طرح ادا کیے جائیں کہ اس کا معیار اہل زبان کے مطابق ہو۔ حالی نے روزمرہ اور محاورے کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں من حیث الاستعمال ایک اور بھی فرق ہے کہ روزمرہ کی پابندی جہاں تک ممکن ہو تقریر و تحریر اور نظم و نثر میں ضروری سمجھی گئی ہے۔

۲۔ کلام میں جس قدر کہ روزمرہ کی پابندی کم ہوگی اسی قدر فصاحت کے درجہ سے ساقط سمجھا جائے گا آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ نظم ہو یا نثر دونوں میں روزمرہ کی پابندی جہاں تک ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔

۱۔ مقدمہ شعروشاعری ، ص ، ۱۵۸

۲۔ مقدمہ شعروشاعری ، ص ، ۱۶۰

۳۔ محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے لیکن ہر شعر میں محاورہ کا باندھنا ضروری نہیں۔

موازنہ انیسؔ و دبیرؔ میں شبلی نعمانی نے بھی روزمرہ اور محاورے پر خاص توجہ دی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ''جو الفاظ اور خاص ترکیبیں اہل زبان کی بول چال میں زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہیں ان کو روزمرہ کہتے ہیں ظاہر ہے کہ عام بول چال میں وہی الفاظ زبان پر آئیں گے جو سادہ، صاف اور سہل الادا ہوں اگر ان میں سے کچھ ثقل اور گرانی رکھتے بھی ہوں تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھ کر صاف ہو جاتے ہیں اسی کو فصاحت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ روزمرہ کے لیے فصیح ہونا لازم ہے۔ شبلی کہتے ہیں کہ میر انیسؔ کے کلام میں نہایت کثرت سے روزمرہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے اور مثال میں میر انیسؔ کا یہ شعر پیش کیا ہے۔''

مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا
مر جاتے ہیں سن کے روزمرہ میرا

حالی اور شبلی جیسے دو بڑے ناقدین اور محققین کی آراء کو جاننے کے بعد اسی تناظر میں میر انیسؔ کے مراثی میں روزمرہ اور محاورات کا استعمال پیشِ نظر رکھتے ہوئے چند مثالیں درج کرتی ہوں:

روزمرہ:

روزمرہ میں لہجے کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ لہجے ہی سے جذبات کا اظہار ہوتا ہے خواہ وہ غم کے جذبات ہوں یا خوشی کے اور لہجہ ہی کسی موقع و محل کو منکشف کرتا ہے۔

لو: یہ روزمرہ کا لفظ ہے مگر انیسؔ نے اس کو کس طرح بیان کیا ہے۔

ماں صدقے جائے ''لو'' مرے زانو پہ سر رکھو
اس بے کسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو

۱۔ مقدمہ شعروشاعری ، ص ، ۱۶۰

۲۔ مقدمہ شعروشاعری ، ص ، ۴۰، ۴۱

ایک ماں اپنے بیٹے پر جاں نثار کرنے کو تیار ہے ممتا سے مجبور ہو کر اس کا سر اپنے زانو پہ رکھنے کو کہہ رہی ہے وہ جانتی ہے کہ اب یہ بیٹا بچھڑا تو دوبارہ اس سے ملاقات ناممکن ہے اس لیے اپنی بے کسی اور بے بسی کا اظہار کیے بنا نہیں رہ پاتی۔

اسی طرح ایک جگہ حضرت زینب نے کہا:

بولیں یہ کربلا ہے تو "لو" ہم ہوئے تباہ

ہم کون یا میں کون:

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمہاری تو جاؤ گلا کٹاؤ

میں کون ہوں کا لہجہ ظاہر کرتا ہے کہ میری کیا حیثیت ہے یعنی کوئی حیثیت نہیں اب ایک پھوپی جس نے بھتیجے کو پال پوس کر بڑا کیا ہے عشق کی حد تک محبت کرتی ہیں جانتی ہیں کہ گلا ضرور کٹائے گا مگر اظہار اس طرح کیا کہ ہم کون ہیں جو تمہیں منع کریں تمہاری ماں راضی ہیں تو جاؤ سدھارو۔

ہے ہے:

کہتی تھی کبھی آج پیمبر نہیں ہے ہے
حال اپنا دکھاؤں کسے؟ حیدر نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے مادر نہیں ہے ہے
شبیر مصیبت میں ہیں شبر نہیں ہے ہے

ایک کلمہ جو افسوس کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے انیس نے حضرت زینب کی بے بسی کی پوری داستان ان دو اشعار میں نظم کر دی جس میں وہ کہہ رہی ہیں کہ میرا چاہنے والا نانا، ماں، باپ بھائی کوئی نہیں یہ وہ رشتے ہیں جو ایک عورت کے لیے قابل فخر ہوتے ہیں اور آج جب چھوٹا بھائی مصیبتوں میں گرفتار ہے تو بڑا بھائی بھی موجود نہیں جو بھائی کا سہارا بنتا۔

ہا:

انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا
اب اس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا

بی بی زینب کے بچے ماموں سے علم نہ ملنے پر ناخوش ہیں بی بی بچوں کے جذبات سے بے خبر نہیں مگر چاہتی ہیں کہ کسی اور کو اس بات کا علم نہ ہو اس لیے ''ہا'' انتہائی حیرانی اور تاسف کا کلمہ بن کر منہ سے نکلا اور اب جو ہونا تھا جسے علم ملنا تھا اس لیے ''ہا'' کا لہجہ افسوس اور بے بسی کے زاویوں کو ایک ساتھ ظاہر کر رہا ہے۔

اب کیا کروں:

چلائی یہ زینب کہ سفر کرتے ہیں بھائی
اب کیا کروں ہے ہے مری اماں کی کمائی

بی بی زینب کی بے بسی کا خوبصورت اظہار بہن بھائی کو دنیا سے جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے وہ اپنی ماں کی کمائی کو لٹتا دیکھ کر اپنی مجبوری کا اظہار کر رہی ہیں اب کیا کروں؟ یہ سوال ہے کہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں مگر میرا بس نہیں چلتا۔

نام:

اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوئے امام
پھر آبرو رہے گی مری اور تمہارا نام

عورتیں اپنی آبرو پر جان دیتی ہیں حضرت شہربانو علی اکبر سے کہہ رہی ہیں کہ اگر خدانخواستہ امام زخمی ہو گئے اور تم زندہ سلامت رہے تو کیا میری عزت برقرار رہے گی سوالیہ لہجہ اور پھر تمہارا نام بھی تو اونچا نہیں ہوگا جوان بیٹے کے ہوتے ہوئے باپ زخمی ہو گیا۔

کیا کہوں:

صاحب بتا تو دو تمہیں رونے میں کیا کہوں
بے کس کہوں کہ فدیہ راہ خدا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں
دولھا کہوں کہ قاسم گلگوں قبا کہوں

حضرت امام حسین کی ایک صاحبزادی کبریٰ جن کا نکاح کربلا میں ہوا اور وہ ایک رات کی بیاہی عاشور کے دن بیوہ ہوگئیں جب حضرت قاسم کی لاش جو ٹکڑے ٹکڑے تھی خیمہ میں آئی تو لہن نے یہ بین کیے۔ ''کیا کہوں'' کو انیسؔ نے اس طرح استعمال کیا کہ اس بند میں ان کی بے بسی، بے کسی، شرم و حیا سب کچھ اشکار ہو رہا ہے۔

کس طرف:

چلاتی تھی ارے مرا بھائی ہے کس طرف
لوٹی ہوی علی کی کمائی ہے کس طرف

کربلا کے آخری شہید امام حسین تھے بہن بھائی کے لیے بے قرار ہے بھائی کو دیکھنا چاہتی ہیں جو نظر نہیں آ رہے اسی لیے بین کر رہی ہیں کہ اے لوگو میرا بھائی جو علیؑ کی کل کائنات ہے کہاں چھپ گیا میں اپنے بھائی کو کس طرف جا کر تلاش کروں۔ پہلے مصرعے میں ارے کا لفظ اور لہجہ مدد اور توجہ کے لیے ادا کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ یقین بھی ہے کہ اس وقت کوئی مدد کرنے نہیں آئے گا۔

کیا کروں:

بھیا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں
کیا کہہ کہ اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں

کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں

بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں

امام حسین کی شہادت ہوگئی تو ایک مجبور بہن کے جذبات کو انیسؔ نے کتنے خوبصورت انداز سے قلمبند کیا بہن کہہ رہی ہے کہ بھائی اب میں تمہیں کہاں سے لاؤں اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں بی بی زینب نے اپنے بھائی کے لیے ایسی کوئی دہائی نہ تھی جوشمر کو نہ دی ہو نانا، علی و فاطمہ کا واسطہ اب وہ کہتی ہیں کہ میں کس کی دہائی دوں کیسے گریہ کروں کیونکہ یہ بستی غیر ہے بے بسی مجسم ہو کر ان اشعار سے نمایاں ہے۔

کیا لطف:

کیا لطف چھٹے قید سے گر پیاروں کو رو کر

دکھلاؤں گی صورت کسے بن بھائی کی ہو کر

یزید نے جب امام کے گھر والوں کو رہائی دی اور بی بی زینب نے جب یہ خبر سنی تو کتنا سچا اظہار کیا کہ اب زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں ہم اپنے پیاروں سے جدا ہو چکے ہیں بہن بھائی پر اپنے بیٹے قربان کر چکی مگر بھائی نہ بچ سکا تو اب یہ خیال بھی پیش نظر ہے کہ میں اپنے بھائی کو کھو کر کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہی کیا لطف کا ٹکڑا اور لہجہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر ایسا ہو بھی گیا تو اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

محاورات:

محاورات کا استعمال اس طرح مستحسن سمجھا جاتا ہے جس میں محاورہ اپنے سیاق وسباق میں بالکل رچ بس جائے انیسؔ کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے محاورات کو اس طرح پیش کیا کہ اس کی ایک مکمل تصویر قاری کے ذہن میں پھر جاتی ہے۔

مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہنا:

سر کو لگا کر چھاتی سے زینب نے یہ کہا

تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا

جب امام نرغہ اعدا میں گھرے ہوئے تھے اور بہن بھائی کی زندگی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی اس وقت سب سے بڑی دعا یہی تھی کہ بھاوج کو سینے سے لگا کر اس کے سہاگ اور بچوں کو دعا دی جائے کہ وہ سلامت رہیں۔

مانگ میں صندل بھرنا:

بانو نے نیک نام کی کھیتی ہری رہی
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

انیسؔ نے اس ایک شعر میں تین محاورے قلمبند کیے ہیں کھیتی ہری رہنا، صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہنا اور اس کڑے وقت میں جب یہ سب چیزیں بہت اہم تھیں بی بی زینب کا دعائیہ انداز جب صندل سے مانگ بھری ہوگی تو سہاگ قائم رہے گا اور جب گودی بھری رہے گی تو یہ استعارۃً کھیتی ہری رہنے کے معنوں میں استعمال ہوا غرض اتنی جامع اور مکمل دعا جو دو مصرعوں میں نظر آئی اس کی مثال نہیں ملتی۔

کوکھ پکڑنا:

برچھی اے مومنو اکبر نے جو کھائی رن میں
کوکھ پکڑے ہوئے مادر نکل آئی رن میں

یہ ایک محاورہ ہے مگر اس کی کیفیت کو استعارے کی مدد سے انیسؔ نے کتنا مکمل کر دیا ماں بچے کو نو ماہ اپنی کوکھ میں رکھتی ہے اور اگر اس کا بچہ اس کے سامنے شہید کر دیا جائے تو قدرتی طور پر وہ کوکھ پکڑ کے بے قرار ہو جائے گی۔

عمر بھر کی کمائی:

زہرا کی عمر بھر کی کمائی کو کیا ہوا
بتلا دے اے زمیں مرے بھائی کو کیا ہوا

ایک ماں کے لیے اس کی اولاد عمر بھر کی کمائی ہوتی ہے حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد بی بی زینب بے بسی اور بے کسی کی تصویر بن گئیں اب وہ زمین کربلا سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہیں کہ اے زمین تو ہی بتا دے کہ میری ماں کی عمر بھر کی کمائی کہاں لٹ گئی اور اے زمین تو ہی جواب دے کہ میرا بھائی کہاں گیا اسے کیا ہوا۔

قربان ہونا:

قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو

قربان ہونا عورتوں کی خاص زبان ہے بی بی صغرا مدینے ہی میں تھیں اور بھائی کے لیے بہت بے چین تھیں اپنی بیماری کے پیش نظر قربان ہونا اور آخری دیدار کرنا چاہتی تھیں علی اصغر کربلا میں شہید ہو گئے۔ بہن نے اپنے بھائی کا یہ آخری دیدار کیا تھا۔

نظر لگ جانا:

بے جان کس نے کر دیا بانو کی جان کو
کس کی نظر لگی مرے کڑیل جوان کو

حضرت علی اکبر جو ماں باپ کی اٹھارہ برس کی کمائی تھی ان کی شہادت کے بعد ماں کا بین کرنا کہ میں اکبر جیسے کڑیل جوان کی ماں تھی اب اس میں جان نہیں تو میں بھی بے جان ہوں میرے کڑیل جوان کو کس کی نظر کھا گئی۔

بستی اجڑ جانا:

بستی مری اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کہاں یہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

کربلا میں حضرت قاسم کا نکاح امام حسین کی بیٹی بی بی کبریٰ سے ہوا اور وہ ایک رات کی بیوہ ہوئیں قاسم کی پامال لاش ماں نے دیکھی تو ضبط کا یارا نہ رہا انہوں نے بہو کو دیکھا بیٹے کی لاش دیکھ کر بے ساختہ یہ الفاظ منہ پہ

آئے کہ میری دنیا لٹ گئی کل جس کی شادی تھی وہ نہ رہا گھر رنج وغم اور ماتم کا گھوارہ بن گیا اور عزا خانے میں تبدیل ہوگیا۔

اقبال لٹ جانا:

انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں خواتین کے جذبوں کی ترجمانی ہی نہیں کی ہے بلکہ ایک ایک بند میں کئی کئی محاورے اور روزمرہ کا استعمال بھی کیا ہے:

زیرِ علم تھا زوجہ عباس کا یہ حال ماتھا بھرا تھا خون سے بکھرے ہوئے تھے بال

چلاتی تھی یتیم ہونے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گئے مجھے عباس خوش خصال

ہے ہے علی کا نور نظر مجھ سے چھٹ گیا

میں رانڈ ہوگئی مرا اقبال لٹ گیا

حضرت عباس جوشیر کی مانند جری تھے کنبے کی ڈھارس تھے جب پانی نہ لا سکے اور شہید ہوگئے تو انیسؔ نے بہترین منظر کشی کی کہ بیوہ عباس علم کے نیچے بکھرے بالوں اور خاک بھرے ماتھے کے ساتھ کھڑی کہہ رہی ہے میرا خوبیوں والا شوہر علی کا نورنظر مجھ سے چھٹ گیا شوہر کی موجودگی عورت کے اقبال کو بلند کرتی ہے میں رانڈ ہوگئی اور مرا اقبال لٹ گیا۔

جگر پر چھری چلنا:

کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بری لگی

بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

اس شعر میں بھی دو محاورے قلمبند کیے ہیں صدقے جانا اور جگر پر چھری لگنا بی بی زینب اپنے بچوں کو علم کے حوالے سے نصیحت کر رہی تھیں بچوں نے جو جواب دیا اس پر ماں کہہ رہی ہے کہ میں صدقے تم کو میری نصیحت بری لگی اور تمہارے جواب نے میرے جگر پر چھری چلا دی ماں بچوں کے احساسات جانتی ہے مگر مجبور ہے۔

آخری دیدار دکھانا:

چلائی عمو جان ادھر آکے جایئے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جایئے

حضرت عباس اور بی بی سکینہ کی محبت مثالی ہے جب چچا کو پانی لانے کی اجازت مل گئی تو بھتیجی چچا سے مخاطب ہے کہ آپ میرے پاس آیئے اور آخری دیدار دکھا کر جایئے وہ جانتی ہیں کہ جو میدان جنگ میں گیا زندہ سلامت واپس نہیں آیا۔ اب یہ صورت دوبارہ نظر نہیں آئے گی اس لیے میں اسے زیادہ سے زیادہ دیکھنا چاہتی ہوں۔

ضرب الامثال:

میر انیس اردو زبان کے رموز و نکات کو جس بلندی اور گہرائی سے جانتے تھے اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ان کا یہ شعر کوئی تعلیٰ نہیں حقیقت ہے۔

مری قدر کر اے زمین سخن
تجھے بات میں آسما کردیا

اور یہی قدرت کلام ان کے تمام مراثی میں نظر آتی ہے۔ شاعری میں ایک ہوتا ہے روایتی زبان کا استعمال اور ایک زبان کی توسیع انیس نے متعدد امور وواقعات، محاکات، گفتگو اس طرح استعمال کیے جو بعدازاں خود ضرب المثل بن گئے اور اس طرح انہوں نے زبان کی توسیع کا شاندار کارنامہ انجام دیا۔

شادی صدا نہیں چمن روزگار میں
روئے خزاں میں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

اسی طرح ان کا ایک بند بہت قابل توجہ ہے:

اے دشت نینوا مرا بچہ ہے بے گناہ　　اے ارض کربلا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے نہر علقمہ مرا بچہ ہے بے گناہ　　اے دہر بے وفا مرا بچہ ہے بے گناہ
گھیرا ہے ظالموں نے مرے نور عین کو
اے ذوالفقار تجھ سے میں لوں گی حسین کو

جب ناقدین انیسؔ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ ہندوستانی ماحول اور ہندوستانی کردار پیش کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شجاعت سے متعلق مضامین پیش کرتے ہیں۔ یہاں ذوالفقار کا استعارہ یہ ہے کہ حسین جہاد کریں گے۔ شجاعت نسائیت کے ساتھ ہے دونوں ساتھ ہیں ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔ آخری مصرعے میں بھرپور نسائی لہجہ اور موقع محل کی مناسبت سے نسائی جذبات جن کا تعلق مامتا سے ہے پوری طرح نمایاں ہو رہا ہے۔

میر انیسؔ نے اپنے تمام مراثی میں کثرت سے ایسے اشعار اور مصرعے کہے ہیں جو اپنی ندرت اور شاعرانہ وصف کی بنا پر اس قدر زبان زد خاص و عام ہیں کہ ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور وہ اشعار بھی جنہیں بہت زیادہ مجلسوں اور محفلوں میں نہیں پڑھا جاتا ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
ہم نے میر انیسؔ کے نسائی محاورے، ضرب الامثال کو ہی درج کیا ہے:

مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

بابا کے لیے چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
نے موت ہی آتی ہے نہ نیند آتی ہے اماں

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
دولت مری لٹتی ہے اجڑتا ہے مرا گھر

بھائی کا حال دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
پردہ الٹ کے دختر زہرا نکل پڑی

رقت کا ہوا جوش کہ منھ کو جگر آیا
رنگ اڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا

فرقت کا الم میرے کلیجے کو چھری ہے
سب اچھے ہیں لوگوں مری تقدیر بری ہے

ہے ہے جہاں سے پہلے نہ میں کر گئی سفر
اعدا مجھے پھرائیں گے بلوے میں ننگے سر

مل مل کے ہاتھ کہتی ہیں ہے ہے میں لٹتی ہوں
پردیس میں حسین سے بھائی سے چھٹتی ہوں

حالت تباہ ہوگئی بانوئے شاہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینب نے آہ کی

بانو کی چشم نم میں اندھیرا سا چھا گیا
چادر گری جو سر سے بدن تھر تھرا گیا

اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا

ماں کا پیام کچھ اسے دینے کو آئی ہوں
اپنے مرادوں والے کو لینے کو آئی ہوں

سب ہوں گے مگر گود کے پالے نہ ملیں گے
اب تم سے مجھے چاہنے والے نہ ملیں گے

گر گر کے دوڑتی تھیں کہ مل لوں حسین سے
ہلتا تھا عرش حضرت زینب کے بین سے

اس کے بچے بھی جئیں اور وہ سدا شاد رہے
کوکھ آباد رہے مانگ بھی آباد رہے

آہیں کیونکر نہ بھریں گودیاں بھی خالی ہیں
وطن آوارہ ہیں بے وارث و بے والی ہیں

ندی لہو کی چاند سی چھاتی سے بہہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

چلائی عمو جان ادھر آ کے جایئے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جایئے

کہا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

ساتھ اپنے مزا زیست کا لیتے گئے واری
ہے ہے مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری

اک دل ہے مرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغرا
جان اپنی نہ کھونا تمہیں سمجھاتے ہیں صغرا

یہ کہہ کر منہ کو ڈھانپ کے روئی وہ نوحہ گر
اکبر نے کی پھپھی کی طرف یاس سے نظر

بے خوف چلے آتے ہو باگوں کو اٹھائے
کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنکھ دکھائے

ماں گر پڑی زمیں پہ پھولی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی

بابِ ہفتم

میر انیسؔ سے قبل کے مراثی میں نسائی کرداروں کا جائزہ

دکن سے ہوا ہے اور اس میں سب سے پہلے قلی قطب شاہ اور قادر کے مراثی کا احاطہ کیا جائے گا۔

ہمارا موضوع چونکہ نسائی کردار ہیں۔اس لیے قلی قطب شاہ کے مراثی میں کن خواتین کا ذکر موجود ہے اور ان کا برتاؤ کس قسم کا ہے۔

ان کے ایک مرثیے میں بی بی فاطمہ کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے کہ:

لہو روتی ہیں بی بی فاطمہ اپنے حسیناں تیئں

اولھو لالی کا رنگ ساتو گگن اپرال چھایا ہے

واقعہ کربلا میں بی بی فاطمہ سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ان کا بھرا گھر اجڑ رہا ہے اس لیے آپ کی چاہت کا ایک اور رنگ اس طرح پیش کیا۔

اماماں بارہ کوں آ کر ظلم سوں رکھ دیئے کافر

اسی تھے فاطمہ کا مکھ لہو ستیں دھلایا ہے

اس کے بعد کے مراثی میں بھی بی بی فاطمہ کی چاہت کا مختلف پیرائے میں اظہار ہے مگر کربلا کی دیگر خواتین کا ذکر موجود نہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس وقت تک خواتین کا تذکرہ نمایاں نہیں ہوا تھا۔کچھ اشعار جو بی بی فاطمہ سے متعلق ہیں پیش کر رہی ہوں۔

سب دکھاں کوں انت ہے اس دکھ کے تیئں انت نہیں

فاطمہ کے پوت بن اس جگ میں نہیں نور کہیں

فاطمہ دکھ تھے عرش کرسی تھے غم انجھو بھیئے

ساتوں آساں ہور زمیں میں اگ کی بھڑکی تھی

مصطفیٰ کے باغ کے پھولاں کوں بن پانی سکھائے

مصطفیٰ ہور مرتضیٰ ہور فاطمہؑ کا دل دکھائے

ایک مرثیے میں بی بی زینب کے کردار کی ایک جھلک نمایاں ہے:

دو نور دیدے بی بی کے آخر دیکھ کیوں دکھ دکھے

لہو میں لڑے پیاسے بُھکے دیکھو یہ خواری وائے وائے

قلی قطب شاہ کے مرثیوں کی تعداد زیادہ نہیں اور ہیت کے اعتبار سے بھی وہ مثنوی یا غزل کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان مرثیوں میں بھی رثائیت کا رخ موجود ہے لیکن مرثیے کی وہ صورت جس میں واقعہ کربلا کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کے تمام جاںنثاروں اور اہل خاندان کے بارے میں تفصیل سے لکھنے کے لیے ایک مدت درکار تھی جو شمالی ہند کے مرثیہ نگاروں خصوصاً سودا، مسکین، دلگیر، میر حسن میر ضمیر اور مستحسن خلیق کے مرثیوں میں نظر آتی ہے۔ اس وقت تک اردو زبان میں بھی اظہار کی گنجائش پیدا ہوگئی تھیں۔

عزاداری کے مراسم متعین اور مقرر ہو چکے تھے نیز انسانی جذبوں کو ایک خاص نفسیاتی اور سماجی تناظر میں دیکھنے کا آغاز ہوا۔ جس کی بنا پر وہ تمام کردار خواہ مردوں کے ہوں یا خواتین کے جیتے جاگتے اور ہر قسم کے رشتوں سے وابستہ تناظر میں پیش کیے جانے لگے۔

قادر

قادر بہت اچھا مرثیہ گو تھا۔ اس کا نام میر حسن نے میر عبدالقادر بتایا ہے۔ حیدر آباد دکن سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر اس وقت تک نسائی کرداروں کے بارے میں تفصیل سے لکھنا یا ان کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرنے کا رواج نہ تھا اس لیے ان کے مرثیوں میں چند نسائی کرداروں کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

سب سے پہلے بی بی زینب کا کردار ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ مصائب اٹھاتی نظر آتی ہیں۔

آج نعرا کئی دکھوں زینب
عرش لرزیا ہے سن کے تاب نہ لیا

بی بی زینب کے ساتھ ساتھ بی بی فاطمہ زہرا کا کردار بھی ہے۔

آج خاتون دو جہاں ہر غم
خاک جنگ میں گل ہوا داغ سایا

بی بی زینب اور بی بی ام کلثوم کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

کلثوم و زینب رن میں جا سرور حسین کوں لیا اوچا
رو رو گلے حسرت سوں لا، کیا مہر لائی ری صبا

رو رو پکاریں لے بلا انجوں سوں پھر شہ کو نہلا
کسوت کفن دے کر سُلا کیا دور بسائی ری صبا

قادر کے عہد میں بھی مرثیہ غزل نما انداز سے لکھا جاتا تھا۔ اسی لیے انہوں نے بھی اپنے مراثی اسی انداز سے تحریر کیے ہیں۔ مگر نسائی کردار نمایاں نہیں ہاں البتہ ماں کی حیثیت سے بی بی فاطمہ کا نام ضرور آیا ہے۔

سو رحمت کے دریا میں تھے بے بدل
اتھے فاطمہ کے کنول ہائے ہائے

بی بی فاطمہ بی بی خدیجہ کی بیٹی تھیں اس لیے وہ جب اداس تھیں تو بی بی خدیجہ اور آنحضرتؐ بھی اس غم میں برابر کے شریک تھے۔ایک شعر جس میں ان تینوں کا ذکر ہے۔

رو دیں فاطمہ ہور خدیجہ نبیؐ

اپس کے نواسیاں ہائے ہائے

غرض قادر کے مرثیوں میں چند خواتین کی شبیں نظر آتی ہیں۔وہ مکمل تصاویر جوان کے بعد کے شعراء کے یہاں موجود ہیں۔وہ قادر کے مراثی میں موجود نہیں۔

مسکین

میر عبداللہ نام مسکین تخلص تھا دلی کے رہنے والے تھے۔ مرثیہ نگاری میں اپنے وقت کے استاد تھے۔ مسکین مرثیہ پڑھتے بھی اچھا تھے۔ اگرچہ مسکین نے منفردہ، مخمس اور ترکیب بند کی شکلوں میں بھی مرثیے کہے ہیں لیکن ان کے زیادہ تر مرثیے مربع ہیں۔ مسکین کے زمانے میں عام طور پر مربع مرثیے ہی رائج تھے۔ مربع میں مطلع کے چاروں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں اور دوسرے بندوں کے پہلے تین مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں لیکن چوتھے مصرعے میں مطلع کے قوافی و ردیف کی پیروی کی جاتی ہے۔ مربع کی شکل مرثیوں کے علاوہ کسی اور صنف سخن میں عموماً استعمال نہیں کی جاتی ہے۔

مسکین کے مراثی میں بھی خواتین کے حوالے سے سب سے پہلے بی بی فاطمہ کا کردار ہے۔

ثواب مسکیں یہ غم خیر النساء کا
یہ ماتم ہے شہید کربلا کا

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

حیف ہے تشنہ دہن رن میں وہ سلطان حسینؑ
قراۃ العین علی فاطمہ کی جان حسینؑ

ایک اور مرثیے میں بی بی شہربانو کے کردار کی چند جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

جدھر اس کے شوہر کی کاٹی تھی گردن گلا کاٹ جنگل میں تھے ڈال گئے تن
ذرا سر اوپر لے کے کرتے کا دامن دکھا کر پھٹا پیرہن یہ پکاری

کہ اے شاہ ٹک اپنے گھر کی خبر لے سروں کی خبرے چدرَ کی خبر لے
جلے گھر کی اجڑے نگر کی خبر لے ذرا دیکھ کیا ہے مری بیوقاری

ابھی سامنے لوتھ تیری پڑی ہے ابھی سیں مجھ اوپر یہ سختی بنی ہے
سر اوپر سے چادر مری لوٹ لی ہے اجاڑا ہے گھر سب بہ خواری و زاری

مرا مرتبہ اس نہایت کو پہنچا　　کہ گھر سیں ننگے سریں مجھ کو نکالا
اب آگے نہیں جانتی کیا ہوئے گا　　مرے قید پڑنے کی ہوئی ہے تیاری

اسی طرح جب حضرت علی اکبر نے میدان کارزار کی اجازت لے لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو ماں نے کہا:

پھاڑ گریباں ماں نے اپنا پوشاک اسے پہنائی ہے

حضرت مسلم کی شہادت کی خبر آ گئی اور امام شہید ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو بی بی شہر بانو نے فرمایا:

بانو تئیں خبر ہوئی باہر یہ سب ہے تدبیر　　فریاد کر پکاری اے میرے شاہ شبیر
میں جی کے کیا کروں گی جب ہونگی رانڈ دلگیر　　میرا ہے کون دیویگا مجھ کو رنڈسالہ

آپ اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی ہیں اس لیے فریاد کر رہی ہیں کہ:

گرتم کو آبنی ہے خنجر سے آشنائی　　بس میری گور تم نے کیدھر کو ہے کھدائی
گرتم نے شانے اوپر شمشیر ہے اٹھائی　　میری بھی گور خاطر لیتے چلو کدالا

پھر بی بی نے امام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب آپ کی گردن پر چھری چل جائے گی تو میں سکینہ کو کیسے سمجھاؤں گی۔ میرا بیٹا عابد جو بیمار ہے تپ میں بتلا ہے جب اسے فوج یزید قید کر کے برہنہ پالے چلے گی تو میں کس سے کہوں گی کہ اسے چھڑا کر لے آئے پھر کہتی ہیں۔

بس مری پردہ پوشی اس میں ہے سرور　　میں مر کے جا سماؤں تم، آگے گور اندر
جب تم نہ ہو گے سر پر کیا دیکھوں گی میں جی کر　　دن رات رورو میری آنکھوں میں ہوگا جالا

جب شہادت امام حسینؑ ہو گی اور بیبیوں کے سروں سے ردائیں چھین لی گئیں تو بی بی زینب کا کردار اس طرح سامنے آیا:

اولوٹ لینے والے پردہ دروں کے سردار　　مجھ زینب اوپر اینا احسان کرتو اک بار
بھاوج بہن کی خاطر دو چادراں ہیں درکار　　یہ پھیر دو تو جانوں مجھ کو دیا دو شالا

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد ماں پر کیا گذری ملاحظہ کیجئے:

اماں کے کلیجے کے اوپر برچھی سی چل گئی　　جیوں گود لیا بچے کو گردن وہیں ڈھل گئی
دیکھا کہ بچہ مرگیا جاں اس کی نکل گئی　　یکبار جگر پھٹ گیا اور آتما جل گئی

جب ہو سکا تو سر کے اوپر خاک اڑالی

سودا

سوؔدا کے مرثیوں میں متعدد خواتین کے کرداروں کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ مرثیے غزل کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ دو مصرعے الگ الگ اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ وہم ردیف۔

سوؔدا کے مراثی میں بھی بی بی فاطمہ کا تذکرہ اس طرح ہے کہ ماہ محرم کی چاند رات کو بی بی کا کیا حال ہوتا ہے۔

فاطمہ کو خلد میں لگوا پیمبر کے گلے
اشک خوں سے رولاتی ہے بہم یہ چاند رات

حضرت فاطمہ زہرا کو مرثیہ گو شاعر نے اپنے اپنے انداز سے نظم کیا ہے سودا کہتے ہیں:

ماں پیٹتی ہے بیٹے کے مرنے پہ کر کے بین   یہ بھی عجب نہیں ہے لہو روئیں اس کے نین
پر کاٹ کر سناں پہ رکھا جب سر حسینؑ   گذری جو فاطمہ پہ اسے ہم سے پوچھئے

حضرت شہر بانو کے کردار کا ایک رخ بھی نظر آتا ہے۔ جب امام میدان جنگ کی طرف جا رہے ہیں تو بی بی فرماتی ہیں۔

بانو کہتی تھیں کہ رن کا قصد مت کر سائیاں   مر چکے تیرے تو سب خویش و برادر سائیاں
ایک تو تنہا رہا جاتا ہے کیدھر سائیاں   تجھ بن آفت آئے گی ہم سب کے سر پر سائیاں

بی بی زینب جو اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتی ہیں وہ فرما رہی ہیں کہ:

دیا جواب یہ زینب نے رو کے اے بھائی   ہمیں بھی آج کے دن ہائے کیوں نہ موت آئی
کہ تیرے بعد نہ ہم کھینچتے یہ رسوائی   خدا ہی جانے کہ کس کس کے ہاتھ ہوں گے اسیر

شاعری ہمیشہ اپنے عہد کی سماجیات، تہذیب، رسم و رواج کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ اس لیے حضرت قاسم کی شادی میں سودا کے یہاں بھی وہی سماجی پس منظر اور رسم و رواج موجود ہیں۔

تیری لگن کے دن اے بنڑے موت مشاط ہو کر آئی　　جن نے کر بیوہ بنڑی کو ماتم میں تیرے بھلائی
کٹواتی تیں باندھ کے کنگن ہاتھ کی اپنے آج کلائی　　کیونکر منھ اب اس کو دکھاوں تیری بنڑی جس کی جائی

آرسی مصحف دیکھ کر ٹوٹی اس کی آس
رو دے گی جب تک جیسے ساس نند کے پاس

مادر قاسم کے بین اس طرح نظم کیے ہیں کہ:

سرنگوں بیٹھی ہے غمگین دولھن من یاری　　دمبدم آنکھوں سے ٹپکے ہیں لہو کے قطرات
بیاہ ایسے بھی زمانے میں کہیں ہوتے ہیں　　دولھا دولھن کے نصیب اتنے کہیں ہوتے ہیں

بی بی کبرا جو ایک رات کی بیاہی بیوہ ہوئیں ان کے یہ بین تھے:

گھر تو اتا ہے نظر ماتم سرائے　　شادی کے کپڑے مجھے تم کیوں پہنائے
کس لیے یہ ہاتھ مہندی سے رنگائے　　کیوں کیا مرے تیئں اتنا سنگھار

امام حسینؑ علی اصغر کو پانی پلانے میدان کربلا میں لے گئے مگر جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو بی بی شہر بانو کا کیا حال ہوا یہ ان کے بین ہیں۔

ماں اصغر کی دن اور رین　　رو رو کر کرتی ہیں یہ بین
ہائے رے اصغر ابن حسینؑ　　کس کو دیکھیں گے یہ نین

تجھ بن میرے نور العین
کیونکر ہو اس دل کو چین

ایک مربع مرثیہ حضرت بی بی کلثوم سے متعلق ہے۔ وہ فرما رہی ہیں کہ حیدر کے پسر شہید کر دیئے گئے ہیں۔

نہ میں قاسم کو نہ عباس کو دیکھوں ہوں آہ　　نہ پڑے چشم اب اصغر پہ نہ اکبر پہ نگاہ
اس طرح مٹ گئے اک ان میں سبحان اللہ　　گویا تھے ہی نہ کبھو نور بصر کے

امام حسین جب آخری رخصت کے لیے خیمے میں آئے تو بی بی زینب اور بی بی ام کلثوم کی کیا حالت تھی۔ ان کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

گر تو نہ ہو دنیا میں تو کیا جی کے کریں گے　　ہم درد جدائی کا ترے کیونکر بھریں گے
ہر آن تری یاد میں رو رو کے مریں گے　　پڑ جائینگے پھر آنکھوں میں ہر ایک کے ناسور

امام کی شہادت ایک مثلث مرثیہ میں بیان کی شہادت کے بعد بیبیوں کے یہ بین تھے

رو دی ہی ہر ایک بہن ہی کہہ کہ یہ سخن　　گور نہ تجھ کو ہی نہ کفن عریاں تیرا خاک میں تن

سر نیچے نیزے کی بھال ہای حسینا وا ای حسین

ایک رخ بی بی زینب کے کردار کا اس طرح بھی نظر آتا ہے کہ امام شہید ہو گئے:

بی بی زینب نے کہا:

کہا یہ حضرت زینبؑ نے ہائے اے بھائی　　میں کیوں نہ ساتھ ترے آج قتل میں آئی

فلک نے کیوں تری حالت یہ مجھ کو دکھلائی　　کروں گی کیونکر بسر زندگی میں اب مہ و سال

شہادت امام کے بعد خواتین کے سروں سے چادرین چھین لی گئیں زر دو جواہر لوٹ لیے گئے تب بی بی زینب نے اس طرح بین کیے۔

زینب نے کہا رو رو ان شقیوں سے یہ سن کر

تم سر تو ہماروں کو رکھے ہی نہیں تن پر

اسی طرح رنڈاپا بھی سودا کے مرثیوں میں نظر آتا ہے ایک شعر میں اس طرح پیش کیا

کیوں نہ ملوں میں رانڈ ہو کھ سے آج بھبھوت

جس کی بیاہی ساس جی موا تمھارا پوت

رسم و رواج کے لحاظ سے کنگنے کا تذکرہ بھی ہے۔

باندھا کنگن تیرے سکھ کرنے کو ہاتھ

کیا میں جانے تھی بیویوں بچھڑے کا ساتھ

بی بی فاطمہ کے عابد بیمار کے بارے میں اس طرح کے بین رقم کیے گئے ہیں۔

ہو سوار گھوڑوں پہ وہ دغل کہیں عابدین کو پیادہ چل

نہ وہ چل سکے سبب کسل تو ڈر اس کوڑوں سے پل بہ پل

نہ دوا غذا سے ہے کوئی شے یہ جفائیں دیکھوں میں تابہ کے

مری داد دیوے نہ تا خدا کہو میں نہ روؤں تو کیا کروں

اور جب اہل حرم کربلا و شام سے واپس مدینے پہنچے تو ان کے کیا بین تھے؟

کربلا سے شام ہو کر جب مدینے آئیاں　　زینب و کلثوم دونوں فاطمہ کی جائیاں

رو رو کہتی تھیں کہ طعنہ دیں گی یوں ہمسائیاں　　کھو کے سارے وارث اک عابد کو جیتا لائیاں

کربلا جا کر بھتیجے بھائیوں کو اپنے سوگ　　تحفہ جات اہل وطن کے واسطے لے آئیاں

ساتھ نہیں لے گے۔ بی بی فاطمہ بھرے گھر کو یاد کر کے ہر وقت روتی تھیں۔ آپ نے قاصد کو ایک خط دیا جو امام کے پاس اس وقت پہنچا جب امام کے اقربا، اعزاء سب شہید ہو چکے تھے اور آپ کی شہادت کا وقت قریب تھا۔ اس طرح امام اور زیادہ بے چین ہو گے کیونکہ قاصد صغرا کی وجہ سے صغرا کی یاد کا تیر بھی آپ کے جگر کے پار ہو گیا۔

حضرت عباس کی زوجہ کا کردار انہوں نے ایک مختلف انداز سے پیش کیا ہے۔ حضرت عباس میدان جنگ میں جانے کو بے چین ہیں مگر امام اجازت نہیں دے رہے۔ زوجہ عباس نے بالی سکینہ اور بی بی فضہ کی مدد سے خیمہ میں بلوایا اور بی بی سکینہ سے کہا۔

ایک تدبیر میں یہ سوچی ہوں اے ماہ میر مشک اک دے کے انہیں شہہ سے کرو یہ تقریر

اب نہ روکو اسے دریا کی طرف جانے دو

مشک یہ میرے چچا جان کو بھر لانے دو

پھر آپ بھی بالی سکینہ سے اتنا ہی پیار کرتی ہیں جتنا چچا کرتے ہیں۔ اس لیے بی بی سکینہ سے فرماتی ہیں۔

ہاں یقیں جانیو اس بات کو اے سینہ کباب بچ گئی جان تو عمو ترا لے آئے گا آب

اور اگر قتل ہوا نہر پہ یہ عرش جناب ہو گیا رفع ندامت کا یہ ان کے اسباب

گر یہ جیتے پھرے واری تو بنا کام ترا

اور جو کوثر پہ گئے یوں بھی ہوا نام ترا

اور جب حضرت عباس شہید ہو گے اور امام عالی مقام مشک و علم لے کر خمہ میں آئے۔ اس وقت بھی زوجہ عباس کو یہ فکر تھی کہ اگر میں بین کروں گی تو بی بی سکینہ خجالت محسوس کریں گے۔ مگر جب بی بی سکینہ نے چچی سے کہا کہ چچا میری وجہ سے مارے گے اور میں خجالت محسوس کر رہی ہوں تو زوجہ عباس نے اس طرح بین کیے۔

اے مرے وارث و والی و علمدار امام شاہ کے صدقے سے کیا خوب کیا خلق میں نام

دیکھیئے لونڈی کی تدبیر بہت آئی کام باعث مشک ہوا آپ کا کوثر پہ مقام

پھر یہ کہتی ہوں جو سوجھی مجھے تدبیر اچھی

یہی باعث ہے کہ تھی آپ کی تقدیر اچھی

پھر وہی آپس کی محبت شہر بانو زوجہ عباس کی چھٹانی ہیں بڑے بھائی کی بیوی یہ چھوٹی ہیں مگر شہر بانو کی کتنی ممنون احسان ہیں۔

بانوے شاہ کے والی کے کہوں کیا احساں ۔ نہ تو وسواس کیا اور نہ کچھ آیا دھیان
کتنا چاہا کہ جدا مجھ سے رہیں یہ اس آں ۔ مجھ سے لپٹی ہوئی روتی ہیں میں ان کے قرباں

تادم زیست رہیں گی مری ایرائے میں
سر کی چادر مجھے اب بخشی ہے رنڈ سالے میں

حضرت علی اکبر نے ماں اور پھوپھی سے رن کی رضا مانگی۔ آخر کار دونوں کو اجازت دینی پڑی۔ پھوپھی بھتیجے گلے مل کر رو رہے ہیں۔ امام حسینؑ نے کہا یہ دو روز کا پیاسہ ہے۔ اسے اور نہ رلاؤ۔ اب بی بی زینبؑ نے کیا کہا۔

رونے لگی زینب یہ سخن بھائی کا سن کر ۔ بولی یہ بھتیجے سے کہ کیوں روتے ہو اکبر
بابا پہ فدا ہونے کو جاؤ مرے دل بر ۔ میں بھی ہوں رضا مند ہے راضی تری مادر

گو تاب جدائی تری بالکل نہیں مجھ کو
پر اب تری رخصت میں تامل نہیں مجھ کو

اب علی اکبر میدان جنگ کی طرف جا رہے ہیں تو مادر کا کیا حال ہے۔

یہ کہہ کے جو جانے لگا میدان کو اکبر ۔ منہ پھیر کے دیکھا طرف مادر مضطر
بانو نے حزین کہنے لگی اس سے یہ رو کر ۔ لو جاو خدا کو تمھیں سونپا مرے دلبر

رونے لگا سن ماں کے سخن کو علی اکبر
بانو رہی روتی گیا رن کو علی اکبر

امام علی اصغر کو پانی پلانے کے لیے میدان میں لے گئے اور اعدا سے کہا اس بچے کو پانی پلا دو اگر تم سمجھتے ہو کہ میں اس کے بہانے پانی مانگ رہا ہوں تو میں اسے میدان میں لٹا کر خیمہ میں چلا جاتا ہوں۔ جب تم اسے پانی پلا دو گے تو میں اسے لے جاؤں گا مگر وہ اتنے شقی القلب تھے کہ پانی کے بجائے تیر سے علی اصغر کی پیاس بجھائی۔ امام خالی ہاتھ خیمے میں واپس آئے تو ماں نے کس طرح بین کیے۔

دلگیر نے بے شمار مرثیے لکھے ہیں۔لیکن ان کے مرثیوں میں روایات ،بعض اصحاب حسینؑ کی تفصیلات ملتی ہیں ۔ ہم ان کے مرثیوں میں نسائی کرداروں کے رنگ دیکھیں گے ۔ جب امام حسینؑ مدینے سے کربلا کی جانب سفر کرنے والے تھے تو بیبیاں کس کس طرح سفر کی تیاری کر رہی تھیں ۔ بی بی رباب نے اپنے ننھے سے بیٹے علی اصغر کے لیے کیا کیا سامان کیا۔

بانو تیاریاں کرتی تھیں یہ اصغر کے لیے چھوٹا گہوارہ سجا ننھے سے اصغر کے لیے
کوزے پانی کے دھرے کرتے نئے تھے جو سیے یہ تمنا تھی کہ آرام سے یہ لعل جئے
یہ نہ معلوم تھا کچھ دن ہی اسے جینا ہے
آب پیکاں اسے پانی کے عوض پینا ہے

آگے ایک بند میں حضرت قاسم کے بارے میں لکھا گیا بانو مادر قاسم سے کہتی ہیں ۔

بانو نے مادر قاسم سے کہا بھابی جان ساتھ رکھ لیجیو شادی کا ابھی کچھ کچھ ساماں
اس لیے کہتی ہوں قاسم کا رچا بیاہ جو واں کچھ میسر نہیں آنے کا سفر کے دوراں
سہرا مقیش کا رکھ لیجیو یہ دھیان رہے
کہیں بن باپ کا دولھا نہ پر ارمان رہے

اور جب سامان سفر تیار ہو گیا اور بی بی صغرا کو یہ یقین ہو گیا کہ بابا اسے سفر پر اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے تو آپ نے ایک ایک کی منت سماجت کی چچا عباس ، بھائی قاسم ،علی اکبر کے علاوہ اپنی ماں اور پھوپھی کی مگر جب انھیں پتہ چلا کہ وہ ساتھ نہیں جا سکیں گی تو ان کا کیا حال ہوا۔

ہائے جس دم یہ ہوا فاطمہ صغرا کو یقیں ساتھ لے چلنا مرا شاہ کو منظور نہیں
خاک چہرے پہ ملی پھاڑا گریباں کے تئیں یوں بیاں کرنے لگی رو رو وہ بیمار و حزیں
کوئی جینے کا رکھو اب نہ بھروسا میرا
نیم جاں چھوڑ چلا مجھ کو مسیحا میرا

دلگیر نے بی بی فاطمہ صغرا سے متعلق کئی مرثیے تحریر کیے ہیں ۔امام سفر پر روانہ ہو گئے مگر بی بی کو

ساتھ نہیں لے گے۔ بی بی فاطمہ بھرے گھر کو یاد کر کے ہر وقت روتی تھیں۔آپ نے قاصد کو ایک خط دیا جو امام کے پاس اس وقت پہنچا جب امام کے اقربا، اعزا، سب شہید ہو چکے تھے اور آپ کی شہادت کا وقت قریب تھا۔اس طرح امام اورزیادہ بے چین ہو گے کیونکہ قاصد صغرا کی وجہ سے صغرا کی یاد کا تیر بھی آپ کے جگر کے پار ہو گیا۔

حضرت عباس کی زوجہ کا کردار انہوں نے ایک مختلف انداز سے پیش کیا ہے۔حضرت عباس میدان جنگ میں جانے کو بے چین ہیں مگر امام اجازت نہیں دے رہے۔زوجہ عباس نے بالی سکینہ اور بی بی فضہ کی مدد سے خیمہ میں بلوایا اور بی بی سکینہ سے کہا۔

ایک تدبیر میں یہ سوچی ہوں اے ماہ میر　　مشک اک دے کے انہیں شہہ سے کرو یہ تقریر

اب نہ روکو اسے دریا کی طرف جانے دو

مشک یہ میرے چچا جان کو بھر لانے دو

پھر آپ بھی بالی سکینہ سے اتنا ہی پیار کرتی ہیں جتنا چچا کرتے ہیں۔اس لیے بی بی سکینہ سے فرماتی ہیں۔

ہاں یقیں جانیو اس بات کو اے سینہ کباب　　بچ گئی جان تو عمو ترا لے آئے گا آب

اور اگر قتل ہوا نہر پہ یہ عرش جناب　　ہوگیا رفع ندامت کا یہ ان کے اسباب

گر یہ جیتے پھرے واری تو بنا کام ترا

اور جو کوثر پہ گئے یوں بھی ہوا نام ترا

اور جب حضرت عباس شہید ہو گے اور امام عالی مقام مشک وعلم لے کر خیمہ میں آئے۔اس وقت بھی زوجہ عباس کو یہ فکر تھی کہ اگر میں بین کروں گی تو بی بی سکینہ خجالت محسوس کریں گے۔مگر جب بی بی سکینہ نے چچی سے کہا کہ چچا میری وجہ سے مارے گے اور میں خجالت محسوس کر رہی ہوں تو زوجہ عباس نے اس طرح بین کیے۔

اے مرے وارث و والی و علمدار امام　　شاہ کے صدقے سے کیا خوب کیا خلق میں نام

دیکھیے لونڈی کی تدبیر بہت آئی کام　　باعث مشک ہوا آپ کا کوثر پہ مقام

پھر یہ کہتی ہوں جو سوجھی مجھے تدبیر اچھی

یہی باعث ہے کہ تھی آپ کی تقدیر اچھی

پھر وہی آپس کی محبت شہر بانو زوجہ عباس کی چھٹانی ہیں بڑے بھائی کی بیوی یہ چھوٹی ہیں مگر شہر بانو کی کتنی ممنون احسان ہیں۔

بانوے شاہ کے والی کے کہوں کیا احساں نہ تو وسواس کیا اور نہ کچھ آیا دھیان
کتنا چاہا کہ جدا مجھ سے رہیں یہ اس آں مجھ سے لپٹی ہوئی روتی ہیں میں ان کے قرباں
تادم زیست رہیں گی مری ایرائے میں
سر کی چادر مجھے اب بخشی ہے رنڈ سالے میں

حضرت علی اکبر نے ماں اور پھوپھی سے رن کی رضا مانگی۔ آخر کار دونوں کو اجازت دینی پڑی۔ پھوپھی بھتیجے گلے مل کر رو رہے ہیں۔ امام حسینؑ نے کہا یہ دو روز کا پیاسہ ہے۔ اسے اور نہ رلاؤ۔ اب بی بی زینبؑ نے کیا کہا۔

رونے لگی زینب یہ سخن بھائی کا سن کر بولی یہ بھتیجے سے کہ کیوں روتے ہو اکبر
بابا پہ فدا ہونے کو جاؤ مرے دل بر میں بھی ہوں رضا مند ہے راضی تری مادر
گوتاب جدائی تری بالکل نہیں مجھ کو
پر اب تری رخصت میں تامل نہیں مجھ کو

اب علی اکبر میدان جنگ کی طرف جارہے ہیں تو مادر کا کیا حال ہے۔

یہ کہہ کے جو جانے لگا میدان کو اکبر منھ پھیر کے دیکھا طرف مادر مضطر
بانو نے حزین کہنے لگی اس سے یہ رو کر لو جاؤ خدا کو تمھیں سونپا مرے دلبر
رونے لگا سن ماں کے سخن کو علی اکبر
بانو رہی روتی گیا رن کو علی اکبر

امام علی اصغر کو پانی پلانے کے لیے میدان میں لے گئے اور اعدا سے کہا اس بچے کو پانی پلا دو اگر تم سمجھتے ہو کہ میں اس کے بہانے پانی مانگ رہا ہوں تو میں اسے میدان میں لٹا کر خیمہ میں چلا جاتا ہوں۔ جب تم اسے پانی پلا دو گے تو میں اسے لے جاؤں گا مگر وہ اتنے شقی القلب تھے کہ پانی کے بجائے تیر سے علی اصغر کی پیاس بجھائی۔ امام خالی ہاتھ خیمے میں واپس آئے تو ماں نے کس طرح بین کیے۔

رو کے پھر کہنے لگی میری امانت کیا ہوئی　　کس کو اب دیکھوں گی وہ بھولی سی صورت کیا ہوئی
تم تو خالی گود آئے یہ قیامت کیا ہوئی　　خون میں ڈوبے ہوئے ہو سب یہ حالت کیا ہوئی

دم نکلتا ہے مرا کہیے مرا دلبر کہاں
کس کو سونپا کیا ہوا ہے ہے علی اصغر کہاں

علم کے ملنے کا واقعہ ہر مرثیہ گو نے اس طرح نظم کیا ہے کہ بی بی زینب کے بسر علم نہ ملنے پر اداس تھے مگر دلگیر نے اس واقعے کو بہت مختلف انداز سے نظم کیا۔ بی بی زینب علم حضرت عباس کو دینے کے لیے بلاتی ہیں تو حضرت عباس بی بی زینب کے بیٹوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ جعفر طیار کے پوتے ہیں علم ان کو ملنا چاہیے مگر بی بی زینب کے بیٹوں نے کہا آپ علمدار بنیں گے۔ ماموں جان آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اس وقت بی بی زینب کا کیا حال ہوا۔

زینب نے سنی بیٹوں کی تقریر یہ جس دم　　منہ چوم لیے دونوں کے ایسی ہوئی خرم
لے لے کے بلائیں غرض ان دونوں کی باہم　　کہنے لگی فرزندوں سے یہ زینب پرغم

باتوں نے تمھاری مجھے کیا شاد کیا ہے
کیا خوب خدا نے تمھیں انصاف دیا ہے

اور پھر جب علم حضرت عباس کو مل گیا تو بی بی زینب اور حضرت عباس کی محبت ملاحظہ ہو۔

خوش ہو کے علمدار کی لیں سب نے بلائیں
جی کھول کے لیں بھائی کی زینب نے بلائیں

زوجہ عباس اور حضرت عباس کی محبت مثالی تھی جب زوجہ عباس نے حضرت عباس کو عَلَم اٹھائے ہوئے دیکھا تو اپنے دلی جذبات کی اس طرح ترجمانی کی۔

دے دے کے دعائیں یہی پھر عرض کی اس آن　　یہ لونڈی علمداری کی ہو شان کے قربان
دکھلائی خدا نے مجھے اب آپ کی یہ شان　　پر دل میں مرے رہ گیا اس بات کا ارمان

یہ جاہ و حشم آپ کی مادر نے نہ دیکھا
کاندھے پہ علم آپ کی مادر نے نہ دیکھا

بی بی زینبؑ جو اپنے بھائی کی شیدائی تھیں۔ جب امام حسینؑ میدان جنگ کو روانہ ہوئے تو بی بی مضطر و بے قرار تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں بھائی سے جدا نہیں رہ سکتی۔ آپ کا یہ حال تھا:

کرتی تھی کبھی کھول کر سر کو یہ دعائیں　　لگ جائیں مری جان کو بھائی کی بلائیں
یا رب کہیں شہ آن کے شکل اپنی دکھائیں　　چھاتی سے لگوں کہہ کے جو شبیر گھر آئیں

اس آنے کے بھینا پہ ہیں احسان تمھارے
کیوں دیر لگائی ہے میں قربان تمھارے

اس کے بعد بی بی زینب بار بار در خیمہ تک جاتیں اور پھر ان کی آنکھوں نے اس منظر کو دیکھا۔

زینب پہ بہت شاق تھی بھائی کی جدائی　　رو رو کے یہی کہتی تھی آجا مرے بھائی
گھبرا کہ جو وہ خیمے کے در پر نکل آئی　　تقدیر نے آنکھوں سے یہ شکل اس کو دکھائی

خوں جاری ہے حلقوم شہہ تشنہ دہن سے
اور فوج سوئے خیمہ چلی آتی ہے رن سے

بی بی زینب کا کردار امام کی شہادت کے بعد سب سے نمایاں ہے۔ جب آپ نے یہ معطر دیکھا تو پھر آپ نے کیا کیا۔

زینب کو جو یہ ظلم کا ساماں نظر آیا　　خیمہ میں گئی کہتی ہوئی ہائے خدایا
اور دوڑ کے گودی میں سکینہ کو اٹھایا　　عابد جو تھے غش میں انھیں یہ کہہ کے جگایا

کیا سوتے ہو جنت کو ہمارے گئے بھائی
خیمہ میں لعیں آتے ہیں مارے گئے بھائی

وہ لعین خیمہ کے اندر آ گئے اور جب بی بی زینب کی چادر اتاری تو بی بی فضہ نے ان سے کہا۔

یہ قیدی اندوہ گرفتار محن ہے
کس باپ کی یہ بیٹی ہے اور کس کی بہن ہے

بعد امام حسین جو ظلم وستم فوج عدو نے کیا۔ دلگیر نے خواتین کے حوالے سے اسے مجسم کر دیا۔

پھر خیمہ شبیر کو آتش سے جلایا　　اور طوق گراں عابد بیکس کو پنہایا
سب بیبیوں کو لوٹ کے اونٹوں پہ بٹھایا　　جب مقتل شبیر پہ وہ قافلہ آیا

بیوں کی نظر پڑ گئی لاش شہہ دیں پر
ہر ایک گری اونٹ سے چلا کے زمیں پر

اس کے بعد اہل حرم کو زنداں میں قید کر دیا گیا۔ ہندہ کا کردار بھی دلگیر کے مرثیوں میں نظر آتا

ہے کہ ہندان قیدیوں سے ملنے کے لیے بیتاب تھی۔ جب وہ زنداں میں گئی اور اس کو پتہ چلا کہ یہ حسینؑ کا گھرانہ ہے تو اس کا کیا حال ہوا۔

یہ کہہ کہ پاؤں پہ زینب کے وہ گری دکھیا — تمام زیور و زر توڑ تاڑ پھینک دیا
سر اپنا کھول دیا اور زمیں پہ پھینکی ردا — نہ پھر یہ ہوش تھا اس کو کھلا ہے سرکس کا
کبھی تو بانو کو اکبر کا پرسا دیتی تھی
اڑا کے خاک وہ نام حسینؑ لیتی تھی

بی بی سکینہ جو باپ کی شیدا تھیں۔ ان کے سینے پہ سوتی تھیں۔ جب زندان شام میں اسیر ہوئیں تو باپ کے لیے بہت بے چین تھیں۔ ان کے جذبات اس طرح نظم کیے۔

سکینہ حضرت شبیر کی جو بیٹی تھیں — پدر سے رکھتی تھی اپنے کمال انس دلی
مدام سینہ شبیر پر وہ سوتی تھیں — ہوئی جو شام تو زینب سے اس طرح بولی
پھوپھی پدر نہیں کیوں آج گھر میں آتے ہیں
گلے لگانے مجھے کیوں نہیں بلاتے ہیں

اس کے بعد بی بی سکینہ کو روتے روتے غش آ گیا۔ خواب میں بابا کو دیکھا اور بہت روئیں۔ آپ کے رونے کا غل سنا تو یزید نے امام حسینؑ کا سر بھجوا دیا۔ بی بی سکینہ نے باپ کے سر کو دیکھا تو بے قرار ہو کر روئیں اور پھر خاموش ہو گئیں۔

غرض کہ باپ کے لب پر وہ رکھ کے اپنے لب — پکاری تجھ پہ میں قربان سبط شاہ عرب
یہ کہہ کر مر گئی وہ غمزدہ بہ رنج و تعب — الم سے اس کے لگے پیٹنے وہ سب کے سب
پکاری بانو حناں کو گئی یتیم حسینؑ
مجھے بتاؤ کہاں کو گئی یتیم حسینؑ

بی بی سکینہ کی شہادت کے بعد اہل حرم کو رہائی مل گئی اور وطن جانے کی اجازت بھی۔ بی بی صغرا جو بھرے گھر کے لیے سوگوار تھیں۔ انہیں یہ خبر ملی تو اپنی دادی مادر عباس سے پوچھا کہ دادی کیا میرے بابا آ گئے:

دادی کے گلے لگ کے یہ کہنے لگی صغرا — صدقے گی فرماؤ سنا تم نے ہے کیا کیا
وہ بولی کہ اک خلق چلی آتی ہے اس جا — نا کے کے قریں اترا ہے آ کر ترا بابا

انبوہ ہے روضہ میں رسول عربی کے
آمد کی خبر پھیلی ہے روضہ میں نبیؐ کے

بی بی صغرا کو عابد بیمار نے دیکھا تو انہیں ماں کے پاس لے گئے۔ بی بی نے بیٹی کو گلے لگا کر اس طرح بین کیے۔

جو ظلم ہوا مجھ پہ عیاں ہو نہیں سکتا
دیکھ آئی ہوں جو کچھ وہ بیاں ہو نہیں سکتا

پھر ماں نے بیٹی کو گلے سے لپٹا لیا اور اس کو کربلا کی پیاس کے بارے میں بتایا۔ یہ کربلا کی پیاس کی ایک مکمل تصویر ہے۔

حضرت کی کہوں پیاس کہ لشکر کی کہوں پیاس   قاسم کی کہ عباس دلاور کی کہوں پیاس
اکبر کی کہوں پیاس کہ اصغر کی کہوں پیاس   عابد کی کہوں یا کہ میں سب گھر کی کہوں پیاس

اب تک نہیں پانی کبھی عابد نے پیا ہے
بیمار یہ بھائی ترا مر مر کے جیا ہے

بی بی صغرا نے یہ احوال سنا اور پھر آپ کے دل کا یہ عالم ہو گیا کہ آپ تڑپ تڑپ کر روئیں اور یہ بین کیے۔

سمجھی تھی آئیں گے جو مع اقربا تمام   تب لیں گے بار بار مجھے گود میں تمام
مٹی پہ لوٹتی ہوں جو لے لے کے سب کے نام   آغوش میں اٹھاتے ہیں سجاد تشنہ کام

اب سب یتیم کہہ کے مرا نام لیتے ہیں
سوغات کے عوض مجھے سب پرسہ دیتے ہیں

میر ضمیر

میر ضمیر نے بھی بہت مرثیے تحریر کیے ہیں اور ان کے نسائی کردار نمایاں بھی ہیں اور ذرا مختلف نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بھی اکثر اس خاندان کی تربیت، مہماں نوازی اور حسن سلوک کے واقعات کو نظم کیا ہے۔

حر نے امام کے گھوڑے کی باگیں روکیں تھیں اس وقت بی بی زینب نے حُر سے کلام کیا تھا۔ آپ جانتی تھیں کہ یہ امام پہ قربان ہوگا اور جب وہ یزید کی فوج کو چھوڑ کر امام حسینؑ کی جانب آیا تب بھی آپ نے اس سے کلام کیا۔

فضہ پکاری آیا ہے مہمان نیک نام ڈیوڑھی کی سمت آئیں وہاں بیبیاں تمام
زینب نے بڑھ کے حُر جری سے کیا کلام اس وقت کیا کروں تری دعوت کا اہتمام
ساماں بہم نہیں ہے مصیبت پڑی ہوئی
افسوس ہم سے کچھ نہ ضیافت تری ہوئی

بی بی زینب نے اپنے دو لال بھائی پر قربان کر دیے مگر جب ان کے لاشے میدان سے خیمے میں آئے تو اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ یہ میدان جنگ میں کس طرح لڑے تھے اور جب امام حسینؑ اور حضرت عباس نے ان کو یقین دلایا کہ ان کے بیٹے بہت بہادری سے لڑے تو بی بی نے کہا۔

سمجھی زینب کہ لڑے خوب مرے مہہ پارے تھا یہ نزدیک کہ مر جائے خوشی کے مارے
رُو سے ان لاشوں کے چادر کو اٹھا کر بارے دونوں کے چوم لیے ہاتھ وہ پیارے پیارے
پیار آوے گا تو چھاتی سے لگاؤں گی انہیں
سو لیں جی بھر کے ابھی تو نہ جگاؤں گی انھیں

اس کے بعد ماں کی مامتا نظر آ رہی ہے جو اپنے بچوں پر اپنی جان نچھاور کرتی ہے۔

خوں سے آلودہ ہیں زلفیں سو دھلاؤں گی میں
کھیت کی ریت کو زخموں سے چھڑاؤں گی میں
آنکھیں گر کھولیں تو سرمہ بھی لگاؤں گی میں
آئے ہیں ہو ہو کے شل پاؤں دباؤں گی میں

پیار آوے گا تو چھاتی سے لگاؤں گی انھیں
سولیں جی بھر کے ابھی تو نہ جگاؤں گی انھیں

حضرت ام فروا جن کے بیٹے حضرت قاسم کا نکاح ہوا تھا۔ بی بی کبریٰ کے پاس آئے اور اپنے بابا کا خط دکھا کر کہا کہ اس کو پڑھ لیجئے۔ ہماری قضا اس میں تحریر ہے تو بی بی کبریٰ کا کیا حال ہوا۔

ثابت ہوے کبریٰ پہ جو رخصت کے اشارے　کہنے لگی ہر طرح سے ہوں بس میں تمھارے
مالک ہو جو چاہو سو کرو حق میں ہمارے　ہم جانتے ہیں تم کو چچا جان ہیں پیارے
لازم ہے مجھے خلق بہو ہوں میں حسنؑ کی
جو آپ کی مرضی وہی مرضی ہے دولھن کی

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ:

میں راضی تقدیر ہوں جو مرضی تقدیر　خیمہ میں رہو گے اگر اے قاسم دلگیر
موجود ہے خدمت کے لیے دختر شبیر　گر جایئے میداں کو اٹھالاؤں میں شمشیر
جو مرضی حق دخل نہیں دیوےگی صفرا
رنڈ سالہ خوشی ہو کے پہن لیوےگی کبرا

جب حضرت قاسم شہید ہو گئے اور لاش پامال ہو گئی تو بی بی سکینہ نے بی بی کبریٰ کو رنڈاپے کی خبر سنائی۔ اس وقت مادر قاسم کا کیا حال تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو خاک وخوں میں غلطاں دیکھا تو اس طرح بین کیے۔

یہ سن کے رہا مادر قاسم کو نہ یارا　لاشے کے تصدق ہوئی سر خاک پہ مارا
کہنے لگی مارا گیا ہے ہے مرا پیارا　ناشاد و پر ارمان سوئے خلد سدھارا
نیزے کا کیا وار جو ظالم نے جگر پر
کچھ رحم نہ آیا زن بیوہ کے پسر پر

اس کے بعد ماں کا کیا حال ہوا۔ ماں بیٹے کی لاش پہ نوحہ کناں ہے۔

لاشے کے قریں مادر قاسم جوں ہی آئی　آلودہ خوں لاش وہ چھاتی سے لگائی
پھر بات یہ فرزند کے مردے کو سنائی　مجھ رانڈ کی برباد ہوئی رن میں کمائی

ارماں مرے دل کا نکالو مرے قاسم
میں روتی ہوں چھاتی سے لگالو مرے قاسم

پھر آپ کو اپنے بیٹے کی دولھن کا خیال آ گیا۔ اس لیے کہتی ہیں۔

دولھن تری جب سامنے آوے گی ہمارے　　تب سینے پہ ماں کے نہ چل جائیں گے آرے
دولھن نے تری بیاہ کے کپڑے ہیں اتارے　　اک ایک سے رنڈ سالہ طلب کرتی ہے پیارے

بیٹا میں ترے پیکر بے جان کے صدقے
اماں تری اس زلف پریشان کے صدقے

بی بی کبریٰ کو حضرت قاسم کی لاش پر لایا گیا تو آپ نے سب سے پہلے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ:

اس وقت سرکتی مرے پاؤں سے زمیں ہے
کیا تم کو رنڈاپے کا مرے دھیان نہیں ہے

اس کے بعد آپ نے اپنے دلی جذبات و احساسات کی ترجمانی اس طرح کی۔

میں اس سے بھی واقف نہیں اے قاسم مضطر　　آفاق میں مر جاتا ہے جس وقت کے شوہر
کیا کہہ کے دولھن پیٹتی ہے لاش کے اوپر　　ہوں میں تو ابھی رات کی بیاہی ہوئی دختر

یاں ہم کو تو رنڈ سالے کا جوڑا کوئی دے گا
واں لاش کو تیری تو کفن بھی نہ ملے گا

حضرت علی اکبر کے نیزہ لگا انہوں نے امام سے فرمایا کہ آخری وقت میں ماں کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ امام عالی مقام نے بہت کوشش کی کہ وہ علی اکبر کو ماں سے ملا دیں مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا زخم اتنا گہرا تھا کہ آپ نے راستے میں ہی دم توڑ دیا اب علی اکبر کی ماں کا انداز دیکھئے۔

بانو نے غرض بیٹھ کے زانو پہ لیا سر　　گیسو کو اٹھا چاند سا مکھڑا کیا باہر
چلائی کہ دو صاحبو پرسہ مجھے آکر　　نوحہ میں پڑھوں تم کہو ہے ہے علی اکبر

برباد یہاں بانو کی دولت گئی لوگو
اٹھارہ برس کی مری محنت گئی لوگو

ماں کے دل میں بیٹے کی شادی کے بہت ارمان ہوتے ہیں۔ حضرت علی اکبر اٹھارہ سال کے کڑیل جوان ہیں۔ ماں پھوپھی، بہنیں سب ان کی شادی کی آرزو کر رہی تھیں۔ اس لیے ماں نے

کہا۔

لوگو اسے مہندی بھی نہ شادی کی لگائی لوگو نہ اسے بیاہ کی پوشاک پنہائی
ہَے ہَے یہ ایسے موت کی تصویر خوش آئی جو گھر میں دولھن بیاہ کے آنے بھی نہ پائی
گھر فاطمہ کے آن کے دولت یہ ملی تھی
سو بیبیو یہ موت کے حصے میں لکھی تھی

حضرت عباس اپنی چہیتی بھتیجی بی بی سکینہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔آپ کو میدان جنگ میں لڑنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔مگر جب آپ نے سکینہ کے لیے پانی لانے کی اجازت مانگی اور آپ مشک سکینہ لے کر نہر کی جانب روانہ ہوئے تو در خیمہ پہ بی بی سکینہ انتظار کر رہی ہیں اور کہتی ہیں:

پانی لاتے ہیں مرے واسطے عباس چچا ان کو بے جرم ہے ان اہل جفا نے روکا
مجھ تلک تو مرے عمو کو سلامت پہنچا ان پہ جو آئی ہو آئے وہ سکینہ پہ بلا
جلد یہ مشکل دشوار کر آساں میری
بدلے عباس کے لے بار خدا جاں میری

مگر چچا واپس نہ آئے۔مشک سکینہ چھدتے ہی غازی کی ساری حسرتیں خاک مل گئیں آپ نے خیمہ میں لاش لانے سے منع کر دیا تھا لیکن چچی بھتیجی چچا کی لاش پہ پہنچ گئیں تو اس وقت کیا منظر تھا۔

پہنچی سکینہ لاشہ عباس پر جو آہ لپٹی چچا کے مردے سے باحالت تباہ
بولی کہ لائے پانی تم اے جانثار شاہ میری زبان خشک پہ اب کیجئے نگاہ
سن کر سخن سکینہ کا دل سب کا پھٹ گیا
عباس نامدار کا لاشہ الٹ گیا

کربلا کی عورتوں میں جذبہ ایثار ہے۔اپنا سب کچھ لٹا کر بھی وہ امام حسینؑ کو بچا لینے کی خواہش رکھتی ہیں۔بی بی شہربانو امام سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ جوان بیٹا شہید ہو گیا۔اب علی اصغر باقی ہیں مگر آپ امام سے اس طرح مخاطب ہیں کہ:

بانو نے لیا تھام کلیجہ کو بس اک بار گردن کو اٹھا سوئے فلک کی یہی گفتار
یوں ہی تری مرضی ہے تو لونڈی ہوئی ناچار شبیر سے کی عرض کہ کیوں سید ابرار

ٹل جائیگی آفت کسی عنوان تمھاری
اصغر کو جو لادوں تو بچے جان تمھاری

ایک اور مرثیہ میں بی بی شہر بانو کے جذبات کی عکاسی بہت بھرپور انداز سے کی گئی ہے۔ جب علی اکبر شہید ہو گے اور امام رو رہے ہیں تو ان کی بیوی شوہر سے بھرپور محبت اس انداز سے کر رہی ہیں۔

تم آ کے بیٹھو خیمہ میں یا شاہ نامدار تم پر نثار میں مری اولاد بھی نثار
واری گئی کڑھو نہ محمدؐ کے یادگار اصغر کو لاوں میں علی اکبر تو درکنار
اکبر کے واسطے نہ کبھی میں بکا کروں
اصغر کو بھی کہو تو میں تم پر فدا کروں

بی بی صغرا جن کو امام مدینے میں چھوڑ آئے تھے۔ان کا قاصد جب کربلا پہنچا تو امام تنہا تھے۔ سارا لشکر شہید ہو چکا تھا۔امام شہید ہونے والے تھے اور ان کو اس وقت وہ بیٹی بھی یاد آ گئی۔ بیٹی نے اپنے بابا کے قاصد سے کہا تھا۔

بیمار ہوں غریب ہوں نادار ہوں کمال اجرت میں تجھ کو دیتی ہوں چادر میں خستہ حال
دیکھیے گا اس ردا کو اگر فاطمہ کا لال اس کے عوض میں دے گا بہت سا متاع و مال
بابا سے کہیو تم کو تو اک غم مرا ہوا
مجھ سے تو سارا کنبہ کا کنبہ جدا ہوا

بی بی زینب جو امام حسین کی بہن بھی ہیں اور امام کے بعد ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے والی بھی ہیں۔اب در خیمہ سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھیں مگر بھائی نظر نہیں آ رہے تھے جب نوک نیزہ پہ امام کا سر بلند ہوا تو بی بی زینب نے یہ بین کیے۔

بس آج گھر رسول خدا کا ہوا تمام لو شمر نے مٹا دیا خیر انساء کا نام
سجاد کو یتیمی کا دے دو کوئی پیام کہہ دو سکینہ جان سے بابا بھی آئے کام
کلثوم سے کہو کہ برادر ہوا شہید
بانو کو دو خبر تیرا شوہر ہوا شہید

جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو فوج یزید نے خیموں کا رخ کی وہ خیمہ حسینی کو نذر آتش کرنا چاہتے

تھے اور خیموں کے اندر گھسے چلے آ رہے تھے۔ اس وقت بی بی زینب کی بے کسی اور بے بسی دیکھیئے۔

جب خیمہ عصمت میں دھنسے ہائے وہ کفار   چلائی یہ زینب کہ اٹھو عابد بیمار
آتی ہے جو خیمہ میں چلی فوج ستم گار   مارا گیا شاید پسر حیدر کرار
جلد اٹھ کے کہیں ہم کو چھپاؤ مرے جانی
ماں، بہنوں کو آفت سے بچاؤ مرے جانی

بیبیوں کو بازار شام میں لے جانے کے بعد زندان شام میں اسیر کر دیا گیا یزید کی بیوی ہندہ کا ذکر بھی ان کے مراثی میں موجود ہے کہ جب ہندہ کے آنے کی خبر بی بی زینب کو ملی تو ان پر کیا قیامت گزر گئی۔

بگوش زینب بیکس جو یہ سخن پہنچا   تو مضطرب ہوئی وہ بنت فاطمہ زہرا
کہا کہ بیبیو تم نے کچھ اور ظلم سنا   ورود یاں پہ ہوا چاہتا ہے ہندہ کا
ہو زندگی مری اس دم جو موت آ جاوے
پھٹے زمین تو زینب ابھی سما جاوے

جب ہندہ نے بی بی زینب سے کلام کیا اور زینب و کلثوم کے بارے میں پوچھا اور اپنے آقا امام حسین کے بارے میں پوچھا تو بی بی زینب برداشت نہ کر سکیں اور......

زبان ہندہ سے جس دم سنا حسینؑ کا نام   زمیں پہ گر پڑی زینب وہیں کلیجہ تھام
پکاری اب ہوا اس غم زدی کا کام تمام   کہا یہ فضہ نے ہندہ کر آہ ختم کلام
بلا کے بن میں شہہ مشرقین کو مارا
ترے یزید نے بی بی حسینؑ کو مارا

ہندہ جو اس گھرانے میں کنیز کی حیثیت سے وقت گزار چکی ہے۔ اس کو بھی از حد قلق ہوا اور اس کے بعد اس کا کیا حال ہوا پوری کیفیت ایک شعر میں بیان ہوگی۔

سنا یہ ماجرا ہندہ نے جب بہ رنج و ملال
یہ کہہ کے ہوگئی غش ہائے فاطمہؑ کا لال

جب اہل حرم کو رہائی ملی اور وہ مدینے واپس پہنچے تو بی بی رباب اور بی بی ام البنین کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس وقت کی تصویر کشی میر ضمیر نے اس طرح کی:

ام البنین لے گئیں آ کر سبھوں کو گھر حجروں میں روئیں بیبیاں سب پیٹ پیٹ کر
مسندرباب کو جو پڑی شاہ کی نظر صحن مکاں میں بیٹھ گئیں فرش خاک پر
کہتی تھیں دل کی سب ہوسیں دور کر گئے
مسند پہ جو بٹھاتے تھے مجھ کو وہ مر گئے

مسجد کو دیکھ دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام عاشق مرے حسین مرے اے مرے امام
اس خاک سے اٹھایئے لونڈی کا ہاتھ تھام مدت سے میں نے چھوڑ دیا آب اور طعام
حسن و جمال خاک میں اپنا ملا دیا
افسوس آپ نے مجھے دل سے بھلا دیا

یہ ایک عورت کے دلی احساسات وجذبات ہیں۔جنھیں وہ کبھی نہیں بھول سکتی کیونکہ یہ اس کی زندگی کا جزو ہیں۔اس لیے اپنی یادیں تازہ کررہی ہیں۔

تم بیٹھتے تھے خود اسی مسند پہ میرے شاہ پہلو نشیں کنیز بھی تھی آہ آہ آہ
یہ گھر وہی ہے جو ہے سکینہ کا جلوہ گاہ اصغرسبھوں کے ہاتھوں پہ پھرتے تھے مثل ماہ
اس گھر سے کیا گئی تھی میں کیا ہو کے آئی ہوں
کس کس طرح کے چاند میں اب کھو کے آئی ہوں

باب ہشتم

میر انیسؔ کے نسائی کرداروں کا اردو مرثیے
اور برصغیر کی سماجیات پر اثر

میر انیسؔ کے نسائی کرداروں کا اردو مرثیے اور برصغیر کی سماجیات پر اثر

شاعری ہمیشہ تجربات اور اپنے گرد و پیش بنتی ہوئی سماجی اور سیاسی صورتحال کے پیش نظر ہی کی جاتی ہے اور وہی شاعری اپنا مقام بھی بناتی ہے جو سماجی زندگی سے متعلق ہو یا اس میں اس زمانے کی سماجی حیثیت مکمل طور پر نظر آئے۔

اظہارِ غم کی صورتیں، سماج کے ارتقا اور تنزل کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ مرثیہ اوّل دن سے غم کے اظہار کا ترجمان رہا ہے۔ یہ اور بات کہ ابتداء میں یہ کس شکل میں لکھا گیا اور عہد بہ عہد اس کی شکل کس طرح تبدیل ہوتی رہی۔

میر انیسؔ اور مرزا دبیر نے مرثیہ کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا مگر اس کے بعد بھی بہت سے اہم مرثیہ گو شعراء دنیائے ادب میں داخل ہوئے۔ ہم چونکہ انیسؔ کے مراثی میں خواتین کا جائزہ لے چکے ہیں۔ اس لیے اس باب میں دیکھیں گے کہ منتخب شعراء کے مراثی میں خواتین کا ذکر کس کس انداز سے آیا ہے۔ اس کا سرسری سا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

تعشق:

تعشق نے اپنے مرثیوں میں خواتین کربلا کیلئے شہزادیوں کا لفظ استعمال کیا ہے اور خیمہ کے علاوہ شہزادیوں کی مناسبت سے محل کا لفظ۔

جب امام کی شہادت ہوگئی تو کربلا کی زمین کیسی تھی اور بی بیوں کا کیا حال تھا؟

ہے سرخ زمیں خون شہہ نیک عمل سے
شہزادیاں باہر نکل آئی ہیں محل سے

تعشق کے مراثی میں نسائی کرداروں کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں ان کا احوال کچھ اس طرح سے ہے کہ جب امام حسینؑ حضرت علی اصغر کو میدان کربلا میں لے جا رہے ہیں تو ماں بے قرار ہو رہی

ہے۔

جگر کو ہاتھوں سے پکڑے ہیں بانوے خوشخو دعائیں پڑھتی ہیں ہر بار تھام کر بازو
گلے کو چوم لیا جب ٹپک پڑے آنسو عجیب پیار سے کہتی ہیں اے مرے مہرو

کچھ اختیار نہیں دل ہے بیقرار اصغر میں تیری پیاس کے صدقے ترے نثار اصغر
سوال آب کو جاتے ہو ماں تمھارے نثار کہاں یہ دھوپ کہاں تم کہاں یہ گرد و غبار
ضرور آب تمھیں اشقیا پلائیں گے
اجل یہ کہتی ہے گردن پہ تیر کھائیں گے

اور جب فوج لعیں کے پاس شہ اصغر کو لے کر گئے تو ماں کا کیا حال ہوا۔

عجیب درد سے روتی تھیں بانوے مضطر سب اہلبیت کھڑے پیٹتے تھے سینہ و سر
قریب در جو گے شہ بپا ہوا محشر تڑپ کے رہ گئی مادر چلے گے اصغر
رہے نہ فرط الم سے حواس بیٹھ گئیں
جگر کو تھام کے پردے کے پاس بیٹھ گئیں

اصغر کو دفن کر کے امام عالی مقام کھڑے بھی نہ ہوے تھے کہ اپ پر تیر وسناں کے وارد ہونے لگے اپ غم سے نڈھال، شدید گرمی پیاس اور ایسے میں شمر کا خنجر جس نے آپ کے تن و سر میں جدائی کی اور فوج عدو میں فتح کے باجے بجنے لگے اس وقت بی بی زینب کا کیا حال تھا۔

رہی نہ تاب کھلے سر نکل پڑیں زینب
ردا کو پھینک کے باہر نکل پڑیں زینب

ایک بہن جو اپنے بھائی سے شدت سے محبت کرتی ہے۔ اس وقت اس طرح بین کر رہی ہیں اس بند میں حد سے زیادہ بے بسی جھلک رہی ہے۔

پکارتی تھیں کہ بھائی ہوئی تباہ بہن ملا نہ آب سدھارے جہاں سے تشنہ دہن
پرانے شہر میں ہوں دور ہے یہاں سے وطن تمھارے واسطے بھائی کہاں سے لاؤں کفن
عدو ہیں سب نہ رہا ہاے مہرباں کوئی
ہمارا پوچھنے والا نہیں یہاں کوئی

ایک جگہ بی بی فاطمہ کے بین اس طرح رقم کیے:

گھیرے ہوئے ہے فرقہ ناری یہ ماں نثار
الٹی ہوئی ہے سانس تمھاری یہ ماں نثار
دل میں سناں کا زخم ہے کاری یہ ماں نثار
سوکھی زباں چباتے ہو واری یہ ماں نثار
میرے غریب کوئی بھی اب آشنا نہیں
اللہ تین روز سے پانی ملا نہیں

ایک اور مرثیے میں جب امام حسین علی اصغر کو میدان جنگ میں لے جا رہے تھے تو ماں کا نسائی لہجہ ایک خاص انداز سے سامنے آتا ہے وہ علی اکبر کے بارے میں کہہ رہی ہیں۔

خوب اس وقت مجھ کو یاد آیا   واں ملاقات ہو جو ماہ لقا
بھائی کو پوچھ دیجیو بیٹا   کہیو ماں نے تمھیں کہی ہے دعا
دھیان اتنا رہے ذرا اصغر
جی تو اچھا ہے پوچھنا اصغر

پھر علی اکبر کی والدہ کی بیٹے کے فراق میں کیا حالت ہے اس کی ترجمانی بہت خوبصورت انداز سے کی گئی ہے۔

ہر گھڑی ہے صدا علی اکبر   سروقد مہہ لقا علی اکبر
میرے گلگوں قبا علی اکبر   تجھ کو لانے خدا علی اکبر
آ بنے جب تری جوانی پر
خاک ہے میری زندگانی پر

حضرت علیؑ اصغرؑ کے لیے ایک اور جگہ ماں کی بے قراری کی تصویر کشی اس طرح سے کی گئی ہے۔

پہونچے نزدیک در جو شاہ زماں   کس قدر بے قرار ہوگی ماں
اشک کا چشم سے اٹھا طوفاں   بیٹھ کر اس طرح ہوئی نالاں
رشک گل رشک باغ جاتا ہے
میرے گھر کا چراغ جاتا ہے

اور پھر شہادت علی اصغرؑ کے بعد ماں کے بین اس طرح بیان کیے گئے۔

ہائے کیا پھر گئی مری تقدیر   بھر گئی خوں میں چاند سی تصویر
طرفہ غربت ہے اے مرے بے شیر   چپکے چپکے گلے پہ کھایا تیر
روئے تک بھی نہ تم ذرا اصغر
ہائے کیا چین آ گیا اصغر

ایک اور مرثیے میں بی بی فاطمہ زہرا کا کردار بہت نمایاں ہے آپ کا بیٹا زخموں سے چور ہے وقت عصر ہے آپ سجدے کیلئے جھکے اور ماں نے کن الفاظ میں بین کیے۔

زہرا پکارتی تھیں کہ قربان ہو یہ ماں   تم تو چلے بس اب طرف گلشن جناں
رانڈوں کا لال کون نگہبان ہے یہاں   چھانیں گی خاک بعد تمھارے کہاں کہاں
گھر لوٹنے کو شام کی فوجیں جب آئینگی
بیٹھا ہے کون اب جسے رانڈیں بلائینگی

تعشق نے جذبات نگاری بہت بہترین انداز سے کی ہے امام کا سر تن سے جدا ہونے کو ہے بہن کی نگاہ میں دنیا اندھیر ہے اور منظر یہ ہے کہ:

تھامے کھڑی تھیں حضرت زینبؑ کو بیبیاں   ناگاہ صف سے شمر ستمگر بڑھا وہاں
تاریک صورت شب یلدا ہوا جہاں   گھبرائی اور خواہر سلطان انس و جاں
بولیں کہ لو بہن سے برادر جدا ہوا
کچھ سوجھتا نہیں مری آنکھوں کو کیا ہوا

حضرت عباسؑ کی زوجہ کا کردار بھی نظر آ رہا ہے جو باادب بھی ہیں اور اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔ حضرت عباسؑ میدان کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ آپ کی بے قراری کا یہ عالم ہے کہ:

ایک ایک کا منہ دیکھتی ہیں یاس سے پیہم   گویا یہ اشارہ ہے کہ اب رانڈ ہوئے ہم
بیساختہ روتی ہیں جو منہ ڈھانپ کے ہر دم   سہمے ہوئے فرزند بھی ہمراہ ہیں باہم
مضطر ہیں جگر طائر بسمل سے زیادہ
ہلنے میں ہیں کانوں کے گہر دل سے زیادہ

حضرت عباسؑ کا غصہ مشہور ہے ایک بیوی بہتر طور پر جانتی ہے کہ ان کے شوہر کتنے غصے میں ہیں ان کی بات سنیں گے یا نہیں فطری انداز میں فرماتی ہیں۔

غصے میں کسی بات کا رکھتے نہیں تم دھیان دشوار ہے اس وقت ٹھہرنا تمھیں اک آن
پھر مڑ کے نہیں دیکھتے دے دے جو کوئی جان کچھ فکر کسی کی نہیں مرنے کا ہے ارمان
چہرے پہ ہے سرخی کی شہادت کی خوشی ہے
جو روتے ہیں روئیں تمہیں رخصت کی خوشی ہے

بی بی فضہ جو ہر خاتون کا دل رکھتی ہیں مختلف وقتوں میں سب ان سے اپنے دل کا حال بیان کرتے تھے حضرت عباس میدان جنگ میں ہیں زوجہ عباس نے بی بی فضہ سے پوچھا کہ بہت دیر سے نعروں کی آواز نہیں آرہی کیا لڑائی رک گئی۔اب بی بی فضہ نے کیا کہا اور زوجہ عباس نے کیا جواب دیا۔

فضہ نے کہا لائیے دل میں نہ مرے دھیان خالق سے دعا کیجئے میں آپ کے قربان
گویا ہوئیں یاں اب تو رنڈاپے کے ہیں سامان آگاہ ہے اللہ کہ نکلی ہوئی ہے جان
گھر گھر کے عجب ابر ملال آتے ہیں فضہ
میں کیا کہوں دلمیں جو خیال آتے ہیں فضہ

حضرت عباسؑ شانے کٹا کے نہر کنارے شہید ہوگئے علم عباس خیمے میں آیا۔شہزادیاں علم سے لپٹی بین کر رہی تھیں مگر زوجہ عباس موجود نہ تھیں۔اب بی بی زینبؑ نے کیا کیا۔

اس غول میں عباس کی زوجہ کو نہ پاکر جلدی سے اٹھیں اب اور اک سمت کو جاکر
انڈ سالے کے کپڑے اسے زینب نے پہنا کر پہلو میں علم کے جو بٹھایا اسے لاکر
دل سینے میں تھرانے لگا فرط الم سے
بو آگئی وارث کی لہو کی جو علم سے

زیر علم زوجہ عباس نے جو بین کیے وہ یہ تھے:

ہم روتے ہیں اور سوتے ہو تم نہر کنارے ہم وہ نہ رہے تم جو سوئے نہر سدھارے
دیکھو جو ابھی رونے لگو رنج کے مارے منہ کو جگر آئے جو سنو بین ہمارے
بیوہ ہمیں سب کہتے ہیں جو آئے گے ہیں
رنڈ سالے کے کپڑے ہمیں پہنائے گے ہیں

پیارے صاحب رشید

پیارے صاحب رشید کے مراثی میں بہار کے رنگ نمایاں ہیں ان کے مرثیوں میں پھولوں، بہاروں اور حسین مناظر کا تذکرہ ہے انہوں نے اپنے مرثیوں کے چہرہ میں بہار کا منظر بہت نمایاں طور سے قلمبند کیا ہے۔

پیارے صاحب رشید نے بھی اپنے مراثی میں کربلا کی کچھ خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ہم ان کے کردار کے مختلف رنگ پیش کریں گے۔کربلا کے واقعات میں ایک بی بی ایسی بھی تھیں جو کربلا میں موجود تو نہ تھیں کیونکہ وہ بیمار تھیں۔امام کی بیٹی تھیں اور آپ اسی لیے انھیں مدینے میں چھوڑ آئے تھے۔رشید صاحب نے اپنے ایک مرثیہ میں ان کا ذکر اس طرح کیا کہ امام حسین کے رفقاء، بھائی بھتیجے، بھانجے سب شہادت پا چکے آپ میدان جنگ میں تنہا کھڑے اپنے جانثاروں کو یاد کر رہے ہیں۔ایسے میں قاصد صغرا بی بی کا خط لے کر آتا ہے اور امام کو اپنی بیٹی پوری شدت سے یاد آجاتی ہے۔ایسے میں امام قاصد سے فرماتے ہیں میری نظر کمزور ہوگئی ہے میری آنکھوں میں اتنے اشک ہیں کہ میں یہ خط نہیں پڑھ سکتا۔تو ہی سنا دے کہ میری بیٹی نے کیا تحریر کیا ہے۔قاصد صغرا بتا رہے ہیں۔

سر جھکا کر کہا اس نے کہ ہیں بیمار بہت　　ہوئیں گھر بھر سے جدا بڑھ گیا آزار بہت
اب نقاہت سے سوا ہوگئی ہیں زار بہت　　سب کی مشتاق ہیں ہے حسرت دیدار بہت
منتظر آپ کی ہیں در پہ کھڑی رہتی ہیں
تپ جو بڑھتی ہے تو بے ہوش پڑی رہتی ہیں

اس کے بعد امام خیمے میں گئے خط صغرا پر سب نے بین کیے امام حسینؑ پہلے زوجہ عباس، پھر والدہ علی اکبر، والدہ علی اصغر کے پاس گے پھر اپنی چہیتی بہن زینب کے پاس تشریف لائے۔اس وقت بی بی زینب کا کیا حال تھا۔وہ اپنے بھتیجے علی اکبر کے غم میں مبتلا تھیں۔

سوئے زینب گے دلبند شہہ بدر وحنین　　دیکھا وہ حال کہ بےچین ہوا قلب حسینؑ
چھٹ کے ہمشکل پیمبر سے بہت ہیں بےچین　　خاک پر بیٹھی ہیں بند آنکھیں ہیں کرتی ہیں بین

فوج اندوہ و الم مجھ پہ ستم کرتی ہے
آؤ بیٹا علی اکبر کہ پھوپھی مرتی ہے

امام حسینؑ نے بی بی زینب کو بی بی سکینہ کے بارے میں وصیت فرمائی کہ اس کا خیال رکھنا اور بی بیوں کو روتا چھوڑ کر خیمے سے باہر جانے ہی والے تھے کہ بی بی زینب دوڑتی ہوئی آئیں اور بھائی سے عرض کیا۔ مجھے ماں کی وصیت یاد آ گئی ہے۔ امام کا گھرانہ تمام عالم کیلئے قابل تقلید ہے۔ ایسے مشکل وقت میں بیٹی ماں کی وصیت کو کیسے پورا کرتی ہیں۔ بی بی زینب کہتی ہیں۔

نزع کے وقت یہ فرما گئی ہیں وہ خوشخو　　بے خطا رن میں بہے گا مرے بچے کا لہو
آئے جب رخصت آخر کو وہ میرا مہ رو　　ذبح کے وقت ہے نزدیک سمجھ لینا تو

جب چلے مرنے وہ محبوب بلا اے زینب
چوم لینا مرے بچے کا گلا اے زینب

اس کے بعد کا منظر بہن بھائی کی محبت کا بے ساختہ اظہار ہے۔

کہہ کے یہ آگے بڑھیں ہاتھ گلے میں ڈالے　　حلق کا بوسہ لیا دلکے ہوئے زخم آلے
آتش غم سے پڑے قلب و جگر میں چھالے　　عرش تک جانے لگے بھائی بہن کے نالے

اب بکا ہوگی نہ اس گریہ وزاری کی طرح
روئے دل کھول کے خوب اَبر بہاری کی طرح

اسی طرح جب امام نرغہ اعدا میں گھرے ہوئے تھے اس وقت بی بی فاطمہ زہرا کے کیا احساسات تھے صرف ایک شعر میں اس کا اظہار دیکھیے:

صاف چہرہ سے یہ ظاہر ہے کہ سر پھرتا ہے
خاک پر اب مری گودی کا پلا گرتا ہے

شہادت امام حسین کے بعد بی بی زینب کی بے قراری کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

حال زینب کا جو کچھ تھا نہ دکھائے داور　　دوڑ کے جاتی تھی اس سمت کبھی گاہ ادھر
ساتھ کھینچی ہوئی جاتی تھی زمیں پر چادر　　خاک پر بیٹھ کے آخر یہ پکاری مضطر

مورد رنج و غم و درود پریشانی ہوں
امتی لوگو خبر لو کہ میں سیدانی ہوں

حضرت علی اکبر جن کو پھوپھی اور ماں نے پالا تھا اذن کارزار لینے امام کے پاس آئے تو انھوں نے فرمایا اپنی ماں اور پھوپھی سے اجازت طلب کرو۔ حضرت علی اکبرؑ خیمے میں آئے تو کیا منظر تھا۔

غل ہوا خیمے میں ہمشکل پیمبر آئے
خوش ہوئیں زینب مضطر علی اکبر آئے

مگر جب آپ کو دیکھا تو بی بی زینب سمجھ گئیں کہ اذن کارزار لینے آئے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں۔

رو کے فرمایا کہ کیوں زیست سے بیزار ہو تم　　مجھ سے کیا رخصت میداں کے طلبگار ہو تم
موت میں چاہتی ہوں مرنے پہ تیار ہو تم　　ماں سمجھتے نہیں گر مجکو تو مختار ہو تم

غم کی شمشیر سے صدقے گئی دل زخمی ہے
دوں رضا رن کی خوشی سے تمھیں یہ مشکل ہے

اب جب علی اکبر میدان جنگ کی طرف جا رہے ہیں تو صرف دو اشعار جو اس کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔

قصد جب کرتے تھے جانے کا سوئے فوج گراں
دمبدم گھر میں انھیں کھینچ کے لے جاتی تھی ماں

باہر آ آ کے وہ نازوں کا پلا پھرتا تھا
پردہ در کبھی اٹھتا تھا کبھی گرتا تھا

بی بی زینب نے اپنے دو بچے عون و محمد اپنے بھائی پر قربان کر دیئے تا کہ ان کا بھائی بچ جائے

آپ اپنے بچوں کو جو نصیحتیں کر رہی ہیں وہ اسی خاندان کا طرہ امتیاز ہے۔

ماموں کے بدلے بھوک میں تلواریں کھائیو   گرمی بہت ہے جا کے لہو میں نہائیو
ان چھوٹی چھوٹی تیغوں کے جوہر دکھائیو   ماں صدقے جائے خیمہ میں بس اب نہ آئیو
کمسن ہو ڈر نہ جائیو ارباب جور سے
آگاہ کر دو اپنے گھرانے کے طور سے

پھر ایک رنگ جو نسائی کرداروں کا ہے وہ ہے نند اور بھاوج جو رشید صاحب نے بڑے خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے۔ بی بی زینب بچوں سے مخاطب ہیں اور تائید بھاوج سے کروا رہی ہیں۔

فرماتے تھے یہ رات کو سلطان نیک خو   زینب سپاہ شام سے ہے جنگ صبح کو
مرنے پہ مستعد ہوئے ہیں ہم جو ہو سو ہو   دیکھو کھڑی ہیں اپنی ممانی سے پوچھ لو
کیوں بھابھی بولتی نہیں کہتے تھے یا نہیں
کوئی کلام میں نے غلط تو کیا نہیں

اب بھاوج نند کی تائید بھی کر رہی ہیں۔ بی بی زینب کی محبت کا اقرار اور ان کی تربیت کی تعریف بھی ہے۔

بانو نے عرض کی کہ بجا کہتی ہیں حضور   فرمارہے تھے شب کو یہی شاہ ذی شعور
ہوں گے نثار سید والا پہ یہ ضرور   ماموں کا غم نہ دیکھ سکیں گے کہ ہیں غیور
شب کو جدا کیا ہے نہ دن کو جناب نے
پالا ہے کس ریاض سے ان کو جناب نے

مگر جب بچوں کو اذن وغا مل گئی اور وہ جانے کے لیے تیار ہو گئے تو بی بی کا یہ حال تھا۔

مادر کی روح جسم میں گھبرا کے رہ گئی
دل پر لگی وہ چوٹ کہ تیورا کے رہ گئی

ماں ہیں بیٹوں کے بیاہ کا ارمان ہر ماں کے دل میں ہوتا ہے یہی سوچ کر کہہ رہی ہیں۔

افسوس رہ گیا کہ جواں بھی نہ ہونے پائے　　صد حیف دونو تم نہ دلہنیں بیاہ کے لائے
جو حال ہے یہ بیکس و ناشاد کیا بتائے　　اک آگ سی لگی ہے کلیجہ میں ہائے ہائے

اب راہیں زندگی کی خطرناک ہوگئیں
دل میں جو حسرتیں تھیں وہ سب خاک ہوگئیں

بیٹے شہید ہو گے اب آپ صرف ایک ماں نظر آرہی ہیں جو بچوں کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

مجھ غم زدہ کے پوچھنے والے دلاورو　　مادر تڑپ رہی ہے سنجالو دلاورو
باہیں گلے میں پیار سے ڈالو دلاورو　　ماموں سے اٹھ کے رن کی رضا لو دلاورو

ماں صدقے زندگی کا مزہ خاک ہوگیا
زخموں کو دیکھ دیکھ کے دل چاک ہوگیا

حضرت عباس اور بی بی سکینہ کی محبت مثالی تھی جب علمدار کے شانے جدا ہو گئے مشک چھد گئی گرز سر پہ پڑا تو امام کو صدا دی مگر ساتھ ہی ایک وصیت بھی کرڈالی کہ مجھے خیمہ میں نہ لے جایئے گا وجہ یہ ہے کہ:

خشک مشکیزہ ہے پانی وہ کہاں پائے گی
روئے گی بالی سکینہ مجھے شرم آئے گی

زوجہ عباس کا ذکر اس انداز سے ہے کہ شبر ترائی میں شہید ہو گیا اور آپ نے اپنی لاش خیمے میں لے جانے سے منع کر دی تا کہ چہیتی بھتیجی سکینہ سے شرمندگی نہ ہو امام حسین اور علی اکبر مشک وعلم لے کر خیمے میں آئے اور زوجہ عباس کو بلوایا۔

آ کے خیمہ میں کہا شاہ نے بیوہ کو بلاؤ　　دی صدا زینب ناشاد نے بھابھی ادھر آؤ
بیٹھیں رونے کے لیے بی بیاں صف آ کے بچھاؤ　　پہنو رنڈ سالہ بس اب یہ تو تمہارا ہے بناو

نہر پر خون میں تر شاہ کا شیدائی ہے
علم آیا نہیں سمجھو کہ یہ لاش آئی ہے

آئی بچوں کو لیے روتی ہوئی وہ مضطر　　شکل رانڈوں کی بنائی تو پھٹے سب کے جگر
منہ پہ تھے اشک رواں پیٹتی تھی سینہ و سر　　ناگہاں ہوگئی نادان سکینہ کو خبر

دوڑی کہتی ہوئی مشکیزہ مرا لائے ہیں
یہ خبر مجھ کو نہ تھی میرے چچا آئے ہیں

نفیسؔ

میر نفیسؔ کے مراثی میں بی بی زینب کا کردار بہت موثر انداز سے نظر آتا ہے۔ صبح عاشور تمام خواتین سخت عالم اضطراب میں تھیں مگر خاندانی نجابت و شرافت، جذبہ ایثار، شرم و حیا کا پیکر بھی تھیں۔ بی بی زینب اپنے بچوں عونؑ و محمدؑ کو جنگ کے لیے تیار کررہی ہیں۔ اس مرثیہ میں آپ اپنے بیٹوں کو علم نہ ملنے کا غم کرنے کے بجائے رن میں شجاعت دکھانے پر آمادہ کررہی ہیں۔

آ پڑے جنگ محمدؐ کے نواسے سے اگر   پہلے تم کیجیو تلواروں میں سینے کو سپر
جنگ سرکر کے پھرے گر تو ہے سب سے بہتر   مرگئے گر تو ملا قرب علی و جعفر
یوں لڑو تم کہ شطیں خون عدو کی بہ جائیں
فوج بھی پیچھے علمدار بھی پیچھے رہ جائیں

حضرت مسلمؑ کے دونوں پسر میدان جنگ میں شجاعت سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اب بی بی زینب اپنے بچوں سے اس طرح مخاطب ہوئیں۔

خوب میدان شجاعت کے ہنر دکھلائے   خوب ماموں کے عوض سینو پہ نیزے کھائے
شام اور کوفہ کی فوجوں کو الٹ کر آئے   خوب سرسبز ہوے کھیت رہے پھل کھائے
سرخ رُو فاطمہ زہرا سے مجھے خوب کہا
تم بھی محبوب ہوے ماں کو بھی محجوب کیا

بی بی زینبؑ نے جب یہ کہا تو بچے سمجھ گئے کہ اماں خفا ہیں۔ اماں خیمے میں آئے بچوں نے قدموں پہ سر رکھ کر میدان کارزار کی رضا لی مگر امام حسینؑ اجازت دینے کو تیار نہ تھے اب بہن کا لہجہ دیکھیے۔

کہا زینب نے کہ اب اس میں نہ کیجے انکار   آپ پر ان کو فدا کرتی ہے یہ سینہ فگار
بہتر ان سے کوئی شے اور نہیں بہر نثار   زد نہ کیجے مرا ہدیہ کہ بہن ہے نادار
آپ بچ جائیں تو بچے بھی یہ گھر بھی صدقے
جان میری بھی تصدق یہ پسر بھی صدقے

اور جب دونوں بچوں نے تلواروں کے جوہر دکھائے، شجاعت و بہادری سے جنگ کی اور نرغہ اعدا میں گھر کر شہید ہو گئے۔ ماموں ان دونوں کی لاشیں خیمے میں لائے اس وقت بی بی زینب کا کیا حال تھا۔

ایک ہاتھ اس پہ تو اک رکھا بادل زار خوں بھرا اس کا جو منہ چوما تو اس کے رخسار
لیں بلائیں کبھی اس کی کبھی اس کو کیا پیار کبھی صدقے ہوئیں اس پر تو کبھی اس پہ نثار
زخم تن سر سے کبھی تا بہ قدم دیکھتی تھیں
ہاتھ رکھ رکھ کے کبھی سینوں پہ دم دیکھتی تھیں

کی کبھی آہ کبھی زلفوں کی سونگھی خوشبو خوں میں ڈوبے کبھی چہروں سے ہٹائے گیسو
اپنی چادر سے چھڑایا کبھی گالوں کا لہو کبھی منہ ہاتھوں پہ رکھ رکھ کے بہائے آنسو
گرد پھر کر کبھی بادیدہ تر بیٹھ گئیں
کبھی اٹھیں تو کبھی پیٹ کے سر بیٹھ گئیں

جب حضرت علی اکبر کی لاش خیمے میں آئی اس وقت ماں اور پھوپھی کا کیا حال تھا۔

زینب پچھاڑیں کھاتی ہے ماں کرتی یہ یہ بین قربان تیری لاش کے اے میرے نور عین
لوٹا اجل نے خانہ سلطان مشرقین تم چل بسے جہاں سے اکیلے ہوے حسینؑ
دل بے کس و غریب کا توڑا یہ کیا کیا
غربت میں ساتھ باپ کا چھوڑا یہ کیا کیا

والدہ علی اکبرا پنے بیٹے کیلئے پر ارمان تھیں اس طرح بین کرتی ہیں۔

اماں تمھاری چاندسی صورت کے صدقے جائے ان گورے گورے ہاتھوں پہ تیغوں کے زخم کھائے
ارمان میرے چرخ نے سب خاک میں ملائے بن بیاہے اس جہاں سے گئے ہائے ہائے
اشکوں کی ندیاں مری آنکھوں سے بہ گئیں
تھیں حسرتیں جو بیاہ کی سب دل میں رہ گئیں

بی بی زینبؑ نے حضرت علی اکبر کو پالا تھا پروان چڑھانے والے کے لاشے پر یہ بین تھے۔

نوحہ یہ ہے کہ ہائے مرے نوجواں پسر اے میرے الہ رخ مرے غنچہ وہاں پسر
اے میرے کم سخن مرے آرام جاں پسر اے میرے خوش مزاج مرے خوش بیاں پسر

جیتی رہی میں اور یہ آفت گزر گئی
تم مر گئے پھوپھی نہ بلالے کے مرگئی

حضرت عباسؑ جو امام حسینؑ کے لشکر کے علمدار تھے ان کے حال کے مرثیہ میں نفیس نے بی بی سکینہ کا کردار اس طرح نظم کیا کہ عباس باوفا مشک کے چھدتے ہی ختم ہو گئے ۔ جب علم آیا اور چچا نظر نہ آئے تو بی بی کا کیا حال ہوا۔

پکاری بڑھ کے سکینہ مرے چچا ہیں کہاں
کہا حسین نے مارے گئے وہ تشنہ دہاں

بچے جو پیاسے تھے پانی کے انتظار میں بیٹھے تھے اور بالی سکینہ ان سب کا یہ حال تھا کہ

بلک بلک کے گلے روئے جتنے تھے اطفال
علم سے لپٹی سکینہ بصد بکا و ملال

ایک اور مرثیہ میں امام کی رخصت، جب آپ تنہا ہیں اپنے پیاروں کے داغ اٹھائے ہوے اہل حرم سے آخری رخصت کیلئے تشریف لائے ۔ اس وقت بہن بھائی کی محبت کا کیا عالم تھا۔

کہا حسین نے لپٹو گلے سے اے خواہر وہ کہتی تھی کہ مجھے صبر آئے گا کیونکر
رہے نہ آپ تو بستی لٹی مدینے کی بتاتے جایئے صورت بہن کے جینے کی

پھر بی بی اپنے بھائی سے کہتی ہیں کہ ان کی دلی تمنا یہ ہے کہ

جہاں سے کوچ کروں زندہ چھوڑ کر سب کو
حسینؑ دفن کریں کربلا میں زینب کو

نفیسؔ کے مرثیے کی انفرادیت ان کا مکالماتی انداز ہے۔ بہن بھائی کی محبت کی انتہا دیکھیے دونوں آپس میں کس طرح گفتگو کر رہے ہیں ۔

کہا حسین نے دل کو سنبھالو اے زینبؑ کہا بہن نے جگر غم سے چاک چاک ہے سب
کہا یہ شہ نے کرو صبر کی خدا سے طلب کہا بہن نے کہ طاقت نہیں ہے صبر کی اب

کہا بھلاو غم اے زینب حزیں میرا
کہا بہن نے کہ دل مانتا نہیں میرا

کہا جدا نہیں ہوتے بہن سے کیا بھائی کہا کہ ہائے وہ بھائی میں جس کی شیدائی
کہا کسی پہ مصیبت یہ کیا نہیں آئی کہا کسے یہ مصیبت فلک نے دکھلائی
کہا کسی سے کوئی کیا چھٹا نہ ہوے گا
کہا کسی کا گھر ایسا لٹا نہ ہوے گا

اب امام میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گے اور اہل حرم کا یہ حال ہے کہ:

ہر ایک بی بی کے تھے دوش پر کھلے ہوئے بال بکا و نالہ و افغاں سے تھا کسی میں نہ حال
برہنہ سر تھے سکینہ کے ساتھ سب اطفال یہی تھا شور کہ ہَے ہَے رسولؐ پاک کے لال
بچھڑ کے ہم سے شہ مشرقین جاتے ہیں
شہید ہونے کو ہَے ہَے حسینؑ جاتے ہیں

امام حسینؑ نے جنگ میں رجز پڑھا، فوج عدو کو اپنا مرتبہ اور مقام بتایا مگر ان لعینوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور وقت عصر امام نے سجدہ میں جبیں رکھی اور سر وتن میں جدائی ہو گی

کھلے ہیں بال گریبان چاک ہیں سب کے
کلیجے پھٹتے ہیں سن سن کے بین زینب کے

ایک اور مرثیہ جو حضرت قاسم کی شان میں میں لکھا گیا۔ حضرت قاسم نکاح روز عاشور ہوا اور ایک شب کی بیاہی بیوہ ہوئی۔ اس کا حال اس طرح لکھا ہے۔

جس دم سنورتی تھی دولہن کو تو تھا یہ حال بگڑا تھا سب بناؤ نہ تھی کوئی نیک فال
کنگھی جو کی بکھرنے لگے اور سر کے بال صندل لگایا جب تو ہوا درد سر کمال
شادی میں کیوں نہ غم ہو دلوں میں جو شک پڑے
سرمہ دیا تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

یہ کیسی شادی تھی جس میں کوئی خوش نہ تھا۔ بی بی زینب اور بی بی شہر بانو کا یہ حال تھا کہ:

گردن جھکائے زینب پر غم بھی روتی تھیں
مل کر دولہن سے بانوئے عالم بھی روتی تھیں

جب نکاح ہو گیا تو حضرت قاسم کی والدہ کے کیا تاثرات تھے ملاحظہ کیجئے:

ماں ہنس کے آ کھڑی ہوئی ابن حسن کے پاس
دولھا کو بی بیبیوں نے بٹھایا دولہن کے پاس

اس کے بعد آرسی مصحف کی رسم ادا کی گئی اس وقت دلہن کی کیا کیفیت تھی۔

آیا حیا سے مونہہ پہ عرق سانس رک گئی
آنکھوں پہ ہاتھ دکھ کے دولہن اور جھک گئی

جب بی بی کبرا نے آنکھیں نہیں کھولیں تو زوجہ عباس نے ان سے کیا کہا۔

کہنے لگی یہ زوجہ عباس نام دار   کب تک یہ شرم کھولدو آنکھوں کے میں نثار
پلکیں ہلیں جو اشک رکے تھے وہ بہہ گئے   نرگس کی پھول باغ میں دوکھل کے رہ گئے

وہ تمام بیبیاں جو وہاں موجود تھیں۔ وہ سب مل کے یہ دعائیں مانگ رہی تھیں۔

قائم سہاگ بھاگ رہے برتری رہے
صندل سے اس کی مانگ ہمیشہ بھری رہے

جنگ شروع ہوگئی بی بی زینب کے لال شہید ہوگئے حضرت قاسم چچا سے میدان کارزار کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ آخر کار امام نے اجازت دے دی۔ اب بیٹا ماں کے پاس آیا۔ سب سے وداع ہوکر میدان جنگ کی طرف چلے تو ماں نے اپنی تربیت کا اظہار کیا۔

تسلیم کو جھکا جو ادب سے وہ نونہال   چھاتی بھر آئی ہوگیا مادر کا غیر حال
جب ہو چکا وداع سبھوں سے وہ خوشخصال   ماں نے کیا اشارہ کہ اے مجتبیٰ کے لال

کاہے کو قتل گاہ سے اب پھر کے آؤ گے
صدقے گئی دولہن سے نہ کیا مل کے جاؤ گے

آپ بی بی کبریٰ سے آخری ملاقات کے لیے تشریف لائے تو آپ نے کیا فرمایا۔

ہے ہے جہاں میں یوں نہ کوئی گھر تباہ ہو   ماتم سحر کو خیمے میں ہو شب کو بیاہ ہو
وہ کیجیئے جہاں میں جو کچھ رسم و راہ ہو   وارث نہ ہو تو رانڈ کا کیونکر نباہ ہو

لکھا تھا بخت میں یہی مجھ دلفگار کے
رنڈ سالہ پہنوں بیاہ کا جوڑا اتار کے

بی بی کبریٰ جو ایک شب کی بیاہی بیوہ ہوئی دراصل یہ بھی دنیا کیلئے ایک مثال تھی کہ اگر کسی

عورت کا شوہر جلد اس دنیا سے چلا جائے تو ان کی راہ پر چل کے اس کو صبر کرنا چاہیے۔ بی بی فضہ جو اس گھر کی کنیز ہیں۔ ہر دکھ سکھ کی شریک ہیں جب انہوں نے حضرت قاسم کی لاش خیمے میں لاتے دیکھا تو کیا منظر تھا۔

فضہ نے دیکھا شہہ کو جو آتے ہوے ادھر خیمے کے صحن سے یہ پکاری بچشم تر
سیدانیوں عروس سے ہشیار و باخبر ڈیوڑھی تک آئیں مادر نوشاہ نام ور
فاقوں سے ہیں نڈھال قدم لڑکھڑاتے ہیں
مسند بچھا و دولہہ کو شبیر لاتے ہیں

ماں نے بیٹے کی پائمال لاش دیکھی تو ان کا کیا حال ہوا۔ جذبات نگاری کا بے ساختہ اظہار:

لاشے کے گرد پھر کے پکاری وہ خستہ حال ہَے ہَے یہ کیا ہوا تمھیں اے میرے نونہال
ہَے ہَے مری کمائی پہ یوں آ گیا زوال ہَے ہَے ہوئی یہ دست حنائی لہو سے لال
میں سوگوار رہ گئی دنیائے زشت میں
وہ گھر تباہ کر کے سدھارے بہشت میں

بی بی شہر بانو دولہن کو تھام کر دولہا کی لاش کے قریب لائیں۔ اس وقت بی بی کبریٰ نے یہ بین کیے۔

یہ کس طرح کا بیاہ تھا کیسی تھی یہ برات آخر ہوئی جو صبح تو گزری یہ واردات
آپس میں ہونے پائی خوشی کی نہ کوئی بات آئے تمھاری لاش لیے شاہ کائنات
کیا کیا ہوئے نہ صدمہ و ایذا کے سامنے
پہلے دولہن نہ مرگئی دولھا کے سامنے

یہ بین کرتے کرتے ہوا دل جو بے قرار جھک جھک کے دیکھنے لگی صورت وہ سوگوار
چہرے پہ ہاتھ رکھ دیئے جلدی بحال زار زخموں کا خون منہ پہ ملا لیکے چند بار
تھاما جو بیبیوں نے تو خاموش ہوگئی
سر کو پٹک کے خاک پہ بے ہوش ہوگئی

مرزا محمد جعفر اوج

آپ کے مراثی کی خوبی یہ ہے کہ تغزل کے بجائے سنجیدہ ومتیں زباں میں لکھے گئے ہیں۔آپ نے صحیح روایات قلمبند کی ہیں۔آپ کے مراثی میں کئی خواتین ایسی ہیں جن کا کردار بہت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

امام حسینؑ کے تمام اقربا اور اعزاء شہید ہوگے۔وقت عصر امام کی گردن تہہ تیغ ہے۔اس وقت بی بی زینب کی شخصیت کا ایک اہم نظر آرہا ہے۔

نکل پڑے تھے حرم خیمہ گاہ سے باہر لگی ہوئی تھی قناتوں میں آگ سرتا سر
عمر سے کہتی تھیں زینب گھڑی گھڑی جا کر یہ کیا غضب ہے نہیں کچھ تجھے خدا کا ڈر
نبیؐ کے لال پہ آمادہ جفا ہے تو
وہ ذبح ہوتے ہیں اور ہائے دیکھتا ہے تو

مگر بی بی کی آہ وفغاں کا کوئی اثر نہ ہوا۔امام حسین کی لاش کو پامال کیا جانے لگا تو بی بی زینب کا کیا حال تھا۔

مگر لکھا ہے یہ احوال زینب مضطر کہ تھی قریب برادر کی لاش کے خواہر
یہ مضطرب ہوئی اس وقت دختر حیدر کہ رکھے دیتی تھی ٹاپوں کے نیچے اپنا سر
بلائیں دور سے آشفتہ حال لیتی تھی
وہ آپ کو سم اسپاں میں ڈالے دیتی تھی

بی بی زینب کے حوالے تقریباً تمام شعراء نے یہ حال نظم کیا کہ ان کے بچوں کو علم نہ ملنے کا افسوس تھا۔مگر ماں کی تربیت ایسی تھی کہ جب ماں نے کہا کہ آج بھائی علم اس کو دیں گے جو جری ہوگا،سر پہ گرز اور سینہ پہ سناں کھائے گا۔اتنے میں امام خیمہ میں تشریف لے آئے۔یہاں بی بی کلثوم کا کردار بھی نظر آرہا ہے۔آپ نے بھائی سے فرمایا۔

کہا یہ بھائی سے کلثوم نے قریب آ کر　　حضور گھر کا انھیں دھیان ہے نہ یاد پدر
ہوئے ہیں جب سے علمدار وارث حیدر　　کچھ اس گھڑی سے ہیں چپ چپ یہ دونوں نور نظر

نہ سعی کرنے کا مادر سے ہے گلا ان کو
علم دیا ہے انھیں دیجئے رضا ان کو

بچوں کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ بے جگری سے لڑتے ہوئے زخموں سے چور چور خیمے میں لائے گئے۔ جب ان کی سنانی کی خبر آئی تو ماں کا کیا حال تھا۔

سنانی لے کے جب آئے تھے قاسم و اکبر　　جھکیں تھیں شکر کے سجدے میں زینب مضطر
حرم میں آنے کی پہنچائی بولے خوں نے خبر　　اٹھایا ثانی زہرا نے خاک سے اب سر

یہ شکر کی تھی تمامی پسر تمام ہوئے
ادا تمام حقوق شہہ انام ہوئے

مگر آپ ماں ہیں بچے بھائی پہ تصدق کر دیئے مگر دل کو قرار نہیں ایک شعر میں کیا کیفیت ہے۔

ملائے خاک میں ارمان سارے اماں کے
تباہ کر گئے اماں کو پیارے اماں کے

حضرت علیؑ اکبر جو ہمشکل پیمبر تھے۔ جب میدان کارزار کی جانب رواں ہو رہے تھے تو اس وقت خواتین کا کیا عالم تھا۔

وہ رونا بالی سکینہ کا اور وہ کبرا کا
تڑپنا زینب مضطر کا ام لیلا کا

اور جب علی اکبر شہید ہو گئے اور اہل حرم کو یہ خبر پہنچی تو کیا منظر تھا:

حمید کہتا ہے پہنچی حرم میں جب یہ خبر　　تو نکلی خیمہ سے اک بی بی پیٹتی ہوئی سر
گئی وہ لاشہ اکبر پہ اس طرح مضطر　　گھسا جاتا تھا ریتی پہ گوشہ چادر

نہ پاؤں کی تھی خبر اور نہ ہوش تھا سر کا
زباں پاک پہ نوحہ تھا ہائے اکبر کا

ایک مرثیہ میں شب عاشور کی کیفیت کو نظم کیا۔ فوج لعیں خیموں کے گرد جمع ہو رہی ہیں خیموں سے العطش، العطش کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ بچے سہمے ہوئے اور بی بی زینب کا یہ حال ہے کہ:

تھیں مضطرب الحال بہت زینب ناچار آ آ کے در خیمہ پہ کرتی تھیں یہ گفتار
لوگوں مرے مانجائے سے ہوشیار وخبردار کوفہ سے چلے آتے ہیں لاکھوں ستم اطوار
اللہ ہی اس آفت جانکاہ کو ٹالے
فضہ علیؑ اکبر کو تو خیمہ میں بلالے

شب عاشور خواتین کا کردار بہت نمایاں ہے۔ امام حسینؑ نے عبادت کے لیے ایک شب کی مہلت مانگی تھی۔ آپ مختلف خیموں کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہر ماں اپنے بچے کو اس طرح دیکھ رہی تھی کہ کل یہ خاک کربلا پہ شہید ہو کے ہمیشہ کی جدائی دے جائیں گے۔ علی اکبر کی ماں بھی بہت بے چین تھیں اوجؔ نے اس منظر کو اس طرح قلمبند کیا۔

نہر آنسوؤں کی چشم کے چشمے سے ہی بہی ہے
اک شمع لیے ہاتھ میں منہ دیکھ رہی ہے

اس کے بعد ام لیلیٰ نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کتنے بھرپور انداز سے کیا ہے۔

کہتی ہے بصد یاس کہ اے وائے مقدر کل خاک میں مل جائے گی یہ شکل منور
اس نیند کے ماتے کو کہاں پائیگی مادر آلودہ بخوں ہونگے یہ گیسوئے معنبر
کیا عید ہو گر جان حزیں تن سے نکل جائے
مجھ کو کھ جلی پر تری آئی ہوئی ٹل جائے

ادھر بی بی زینب اپنے بچوں سے فرما رہی ہیں کہ کل میرے بھائی پر غم واندوہ کا دن ہے۔ تم ان پر قربان ہو جانا۔

ماں صدقے ہو ماموں پہ فدا کچھ جانیں تر چشمہ کوثر سے ہوں یہ خشک زبانیں
ہاں روکیو ان پھول سے سینوں پہ سنانیں یوں پہلے پہل لڑتے ہیں دشمن بھی تو جانیں
کیا لطف کہو تم کہ ہیں دلبند ولی کے
خود بول اٹھ رن کہ نواسے ہیں علیؑ کے

اس کے بعد امام عالی مقام حضرت قاسم کے خیمے کی طرف روانہ ہوئے تو قاسم کی ماں ان سے کہہ رہی تھیں۔

لو دودھ بخل تم کو کیا میں نے ابھی سے دی پیاس میں مرنے کی رضا میں نے ابھی سے
کی رخصت جنگاہ عطا میں نے ابھی سے لو برچھیوں کو سونپ دیا میں نے ابھی سے
ماں صدقے ہو زندہ نہ کہیں آئیو رن سے
محجوب نہ کرنا مجھے تم روح حسنؓ سے

اوجؔ نے بہت ساری روایتوں کو نظم کیا۔ جب علی اکبرؑ نے رن کی رضا مانگی اور میدان جنگ کی جانب روانہ ہوئے تو ایک ماں کے جذبات کی دلی عکاسی اس طرح کی کہ:

ان سب میں ایک کوکھ جلی نے وہ آہ کی
شق ہوگئی لرز کے زمیں کرب و بلا کی

بیٹے نے بی بی ہاجرہ کے صبر کی مثال دی تو ماں نے بیٹے کو جواب دیا کہ انہوں نے واقعی صبر کیا تھا مگر ان کا لال واپس آ گیا تھا۔

بانوئے بے نصیب کوئی ماں نہ پاؤ گے
حاجر کا لال زندہ پھرا تم نہ آؤ گے

ایک مرثیہ میں جو حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے متعلق ہے۔ لکھا ہے کہ جب آپ کے انصار و اعزا کے لاشے اٹھا چکے تنہا کھڑے تھے کہ فضا نے آواز دی کہ آپ کی لاڈلی بیٹی سکینہ شدت عطش سے ہلاک ہونے والی ہے۔ بی بی زینب آپ کو بلا رہی ہیں تو اس وقت کیا منظر تھا۔

بانہیں گلے میں ڈال کے رونے لگی بہن فرمایا شہہ نے دیکھ کے ہر سو بصد محن
جاتا ہے بے وطن سوے دربار ذوالمنن آئے کہاں ہے دختر نادار خستہ تن
دن ڈھل چکا ہے ساعت فرقت قریب ہے
عرصہ نہیں ہے وقت شہادت قریب ہے

باپ کی لاڈلی بیٹی جو الگ کھڑی بابا کی باتیں سننے کو بے قرار تھی اس کا کیا حال ہوا۔

روٹھی الگ کھڑی تھی وہ حضرت کی مہہ لقا بے ساختہ تڑپ کے پکاری بصد بکا
ہٹ جاو لوگو بھیڑ سے گھٹتا ہے دم مرا میں بھی تو کچھ سنوں کہ پدر کہہ رہے ہیں کیا
مجرے کو سرزمیں پہ جھکاتی ہوں راہ دو
بابا کے دیکھنے کو میں آتی ہوں راہ دو

یہ سن کے سامنے سے ہر اک بی بی ہٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ باپ سے بیٹی لپٹ گئی

بی بی شہر بانو غم علی اکبر میں بے ہوش پڑی ہیں۔ آپ کو علم ہوا کہ امام آخری رخصت کو آئے ہیں اور شہید ہونے جارہے ہیں تو آپ نے کیا کہا۔

اٹھی یہ سن کے خاک سے وہ سوختہ جگر سر رکھ دیا حسین کے قدموں پہ دوڑ کر
نوحہ یہ تھا کہ اے مرے والی چلے کدھر ہے کون بعد اپ کے اے شاہ بحر و بر
اکبر تو مر چکے کسے سونپا کنیز کو
پردیس میں ستائیں نہ اعدا کنیز کو

جب امام زخموں سے چور چور آخری سجدے کیلئے جھکے اور شمرلعین نے آپ کا سرقلم کرلیا تو بی بی زینب کا کیا حال تھا:

ہاں نوحہ گر تھی دختر محبوبہ الہہ واں کٹ رہا تھا پیاسے کا حلقوم آہ آہ
آگے بڑھی جو چند قدم وامصیبتا دیکھا عجیب واقعہ اللہ کی پناہ
آلودہ خون میں ہے تن اطہر حسینؑ کا
اور دست شمر میں سر انور حسینؑ کا

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل حرم کا کیا حال تھا۔ سب سر ٹکڑا ٹکڑا کے رو رہے تھے۔

کہتی تھی کوئی روکے برادر مدد کو آو کہتی تھی کوئی ثانی جعفر مدد کو آؤ
کہتی تھی کوئی وارث شبر مدد کو آؤ کہتی تھی کوئی اے علی اکبر مدد کو آؤ
تم مر گئے میں زندہ ہوں کب یہ گمان تھا
صدقے گئی بہت تمھیں پردے کا دھیان تھا

یوں مضطرب تھے خاک پہ زہرا کے رشتہ دار جیسے زمیں پہ ٹوٹ پڑے موتیوں کا ہار
نیزوں کا وہ چمکنا وہ بیوؤں کا اضطرار بچوں کا گودیوں سے وہ گرنا بحال زار
کی خوب کلمہ گو یوں نے حرمت رسولؐ کی
خیمے جلائے لوٹ کے عترت رسولؐ کی

اور جب دربار شام میں اہل حرم کو لے جایا گیا تو اس وقت کیا عالم تھا جذبات نگاری دیکھئے:

دیار شام میں جس دم گئے سر دربار تھے ان کے سید سجادؑ قافلہ سالار
گلے میں طوق گراں بیڑیوں کا پاؤں میں بار امام مفترض الطاعۃ اور یہ حالت زار

ہجوم عام کجا آل بوتراب کجا
سر حسینؑ کجا مجلس شراب کجا

اور جب زندان شام میں بی بی سکینہ کی شہادت ہوگئی تو اہل حرم کا کیا حال ہوا۔

حرم تھے چھوٹی سی میت کے گرد صرف بکا کہاں سے لاتے کفن مبتلائے رنج و بلا
کسی کے چہرے پہ مقنع تھا اور نہ سر پہ ردا سوائے چادر تطہیر کچھ بھی پاس نہ تھا

کفن پھٹا ہوا کرتا دیا سکینہ کو
مقام سرد میں مدفوں کیا سکینہ کو

بی بی سکینہ کی شہادت کے بعد اہل حرم کی مدینہ واپسی ہوئی اس میں ام سلمہ، ام البنین، بی بی فاطمہ صغرا کے کرداروں کے مختلف پہلو نظر آ رہے ہیں۔ مدینہ میں شور ہے کہ اہل نبیؐ واپس آ رہے ہیں۔ بی بی صغریٰ جو بھرے گھر کیلئے اداس تھیں۔ ہر وقت روتی تھیں۔ ان کی ایک ایک ہجولی نے ان کو خوشی خوشی یہ خبر دی۔

ہجولیوں میں سے کسی لڑکی نے قضارا خوش خوش سر بام آ کے یہ جلدی سے پکارا
لو بی بی مبارک ہو پدر آیا تمھارا یثرب کو مع الخیر پھرا قافلہ سارا

آئی سحر وصل شب ہجر گذر کے
دن پھر گئے صد شکر اس اجڑے ہوئے گھر کے

اس کے بعد کا جو منظر ہے اس کو اس طرح قلمبند کیا گیا ہے۔

تھیں بیچ میں تو فاطمہ صغرا جگر افگار دہنی طرف ام سلمہ حق کی طرف دار
اور بائیں طرف مادر عباس خوش اطوار حلقہ کیے عورات بنی ہاشم ابرار

آنکھوں سے جو وہ طالب دیدار رواں تھیں
مانند نظر سب کی نگاہوں سے عیاں تھیں

بنی ہاشم کے نوجوان، بوڑھے، بچے سب اس قافلے کو خوش آمدید کہنے کیلئے جمع تھے۔ سب کے ہاتھوں میں پھول تھے جو نچھاور کرنے کے لیے لائے تھے۔ کہ اچانک شور بلند ہوا۔

جو روضہ کے در پر ہوا غل آہ و بکا کا
اک شور سنا ہائے حسین کی صدا کا

بی بی ام البنین کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ آپ نے رگیروں کو پکار کر پوچھا:

اچھی تو ہے زینب مری سب کنبے کی مختار جو بھائی کے ہمراہ سدھاری تھی بہ اصرار
وہ میری بہو مادر سجاد خوش اطوار معلوم ہے کس محمل زیبا میں ہے اسوار
وہ گیسوؤں والا علی اکبر تو ہے اچھا
قاسم تو ہے اچھا مرا اصغر تو ہے اچھا

پھر مدینے والوں کو جب سارا احوال معلوم ہوا تو تمام مرد و زن آہ و فغاں میں مصروف ہو گے۔

ام سلمہ کو نہ رہا ضبط کا یارا اس طرح سے ہاتھوں کو اور سر اور سینہ پہ مارا
جو صبر و تحمل کا گریباں ہوا پارا بڑھ کر طرف مجمع ماتم یہ پکارا
کیا سوجھے کہ نور نظر آنکھوں سے نہاں ہے
اے قافلے والو مرا شبیر کہاں ہے

شتربانو نے قافلے کو روضہ رسولؐ کی جانب بڑھایا اور خدام نے بآواز بلند کیا کہ قناتیں لگی ہیں اور پردے کے باہر کوئی نہیں ہے۔ اب بی بی زینب کو وہ منظر یاد آ گیا جب وہ کربلا کی جانب روانہ ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ نے کہا اب ہم پردہ کے قابل نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا۔

منظور جو پردہ ہو تو سرور کو بلاؤ ہمشیر اترتی ہے برادر کو بلاؤ
قاسم کو بلاؤ علی اکبر کو بلاؤ عباس علمدار برادر کو بلاؤ
کہدو کہ اتروایئے ناقوں سے حرم کو
جلد آیئے رکھے ہوئے شانے پہ علم کو

تمام اہل حرم روضہ رسولؐ میں داخل ہوئے۔ اب بی بی زینب کا کیا حال تھا۔ آپ نے اپنے نانا سے کیا کہا۔

زینب کا وہ عالم تھا کہ خالق نہ دکھائے اک خون بھرے جامہ کو ہاتھوں پہ اٹھائے
کہتی تھی سوئے قبر نبیؐ سر کو جھکائے نانا کہو زینب اسے تربت پہ چڑھائے
حضرت کے یہ مذبوح نواسے کا ہے جامہ
یہ تین شب و روز کے پیاسے کا ہے جامہ

حضرت عباس کو اذن کارزار مل گئی۔ جب آپ میدان جنگ کی طرف جارہے تھے تو زوجہ عباس کا کیا حال تھا۔آپ فرمارہی ہیں۔

بے آب کے جو آئے نہ دل کو مرے قرار فرمایئے کنیز کا کیا اس میں اختیار
بہتر یہ ہے کہ گھٹ کے نکل جائے جان زار کیونکر جیئے گی آپ کے غم میں یہ سوگوار
کہتی ہوں صاف میں کہ ملے گی نہ کل مجھے
حیرت یہ ہے کہ بھول گئی کیوں اجل مجھے

اور جب حضرت عباس شہید ہو گئے اور علی اکبر مشک وعلم خیمے میں لائے تو زوجہ عباس کا کیا حال تھا۔

اٹھ کر کبھی گری تو کبھی ہوگئی نڈھال منہ کو بکھر بکھر کے چھپاتے تھے سر کے بال
پرچم سے جا لپٹی تھی ہر بار تھا یہ حال ماتھا رگڑ کے چوب سے کرتی تھی یہ مقال
صاحب بتایئے کہ سواری کدھر گئی
چھٹ کر قدم سے آپ کے لونڈی تو مرگئی

ٹھنڈی ہوا میں آپ تو سوتے ہیں میں فدا جلتی ہے یاں فراق میں یہ غم کی مبتلا
خدمت سے اس کنیز کو کرتے نہ تھے جدا کہتے تھے کہ ہجر تمھارا ہے جاں گزا
اس غم زدہ کو دل سے بھلانے کا کیا سبب
لونڈی بغیر چین نہ آنے کا کیا سبب

حضرت عون و محمد کے علم نہ ملنے پر غم کا اظہار پر شاعر نے نظم کیا۔ ماں ہمیشہ بچوں کو یہ سمجھاتی رہیں کہ عباس کے علاوہ اس عہدے پر کوئی فائز نہیں ہوسکتا۔اس میں بھی بی بی زینب کہہ رہی ہیں۔

دیکھا جو اپنے بیٹوں کو مادر نے مضمحل شہہ کی نظر بچا کے گئیں ان کے متصل
فرمایا اک تو خود یہ مصیبت ہے جہاں گسل ان رنجشوں سے اور کڑھا جا رہا ہے دل
یہ سرگرانیاں یہ قلق بے سبب نہیں
چہروں پہ تھی جو پہلے بشاشت وہ اب نہیں

بی بی زینب کے بچے شہید ہو گئے۔ ماں بھائی سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ فرمارہی ہیں کہ:

بچے مرے کیا چیز تھے میں جن کا کروں غم　　کیوں ان کی شہادت پہ مری چشم ہو پرنم
وہ بھی تھے غلام آپ کے اے سرور عالم　　رتبہ یہ ملا ان کو یہی فخر ہے کیا کم

کیا نیک کمائی تھی، یہی سنتی ہوں سب سے
حاصل ہوا مجھ کو بھی شرف ان کے سبب سے

حضرت علی اکبر ماں اور پھوپھی سے رخصت کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ یہاں ماں اور پھوپھی کا کردار کتنا نمایاں ہے۔

زینب سے یہ بانو نے کہا بادل خوں بار　　بیٹے کی سنی درد بھری اپ نے گفتار
کب ہم نے کیا ان کو رضا دینے سے انکار　　رو کے سے جو آنسو نہ رکیں اس سے ہیں ناچار

اچھا جو گزرنی ہے گزر جائے گی ہم پر
ہوں شوق سے قرباں شہ والا کے قوم پر

ہم درد رسیدوں کو بنا بندہ شاکر　　اس مرحلہ صعب میں رہ جائیں نہ قاصر
آہ وغم و فریاد و فغاں روک کے آخر　　اکبر سے کہا جاؤ خدا حافظ و ناصر

دل کو الم تشنہ دہانی ہو مبارک
پیارے تمھیں یہ مرگ جوانی ہو مبارک

اور جب امام حسین علی اکبر کی لاش لے کر خیمے میں آئے تو ماں اور پھوپھی کا کیا حال ہوا۔

بھر آیا جو دل غم سے تو زینب یہ پکاری　　صدقے یہ پھوپھی جرات و ہمت کے تمھاری
تھرا کے کہا بانوئے مضطر نے یہ واری　　سینہ یہ کہاں چاند سا اور زخم یہ کاری

پیٹوں گی نہ رووں گی نہ فریاد کروں گی
مر جاؤں گی یہ واقعہ جب یاد کروں گی

امام حسینؑ کی شہادت سے متعلق جو مرثیہ ہے اس کا منظر یہ ہے کہ آپ کے انصار، اقرباء بھائی، بھتیجے، بھانجے اور بیٹا علی اکبر شہادت پا چکے ہیں۔ آپ یکہ وتنہا ہیں اور آخری رخصت کے لیے خیمے میں تشریف لائے تو بی بی شہر بانو کی حالت کیا تھی۔ آپ نے جب امام کو بیٹے کے غم میں پریشان دیکھا اور علی اکبر سے ملاقات کا مشتاق بتایا تو کیا ہوا۔

بی بی فضہ جنھوں نے امام حسینؑ کی پرورش کی تھی۔ انہیں ایک وصیت یاد آئی تو کہا

فضہ کھڑی تھی آپ کے آگے بہت نڈھال　　گردن خم اور کھلے ہوے سر کے سفید بال
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے فاطمہ کے لال　　بی بی یہ کہہ گئی تھیں مجھے وقت انتقال
رخصت جب آخری ہو مرے نورعین کی
میری طرف سے چومیو گردن حسینؑ کی

کس بے کسی سے خم ہوے شاہنشہ انام　　چوما تب اس نے حلق امام فلک مقام
غش کر گئی وفور الم سے وہ نیک نام　　سمجھا یہ بیبیوں نے کہ فضہ ہوی تمام
جو یا تھے سب کنیز کے حال تباہ کے
پکڑا جو ہاتھ آپ نے اٹھی کراہ کے

اور جب امام عالی مقام شہید ہو گئے تو بی بی زینب کا یہ حال تھا کہ:

افراط غم سے زینب بیکس ہلاک تھی
منہ فق تھا اور کھلے ہوئے بالوں پہ خاک تھی

شادؔ عظیم آبادی نے ایک مرثیہ میں رنڈاپا بھی بیان کیا ہے۔ حضرت عباسؑ کی زوجہ نے جب سنا کہ ان کے شوہر کو پانی لانے کی اجازت مل گئی ہے تو آپ بہت پریشان تھیں۔ حضرت عباسؑ نے ان کو سمجھایا کہ تم روتی ہو اور مرے دل پر چھری چل جاتی ہے۔ میں عدم کا مسافر ہوں اور جدائی کی منزل قریب ہے۔ زوجہ عباس نے یہ سنا تو شوہر سے اس طرح مخاطب ہوئیں۔

ارشاد یہ ہوتا ہے کہ آنسو نہ بہانا　　فرمایئے کیا ہوگا اگر دل نے نہ مانا
فرقت کسے کہتے ہیں یہ اب تک نہیں جانا　　سنتی ہوں کہ ہے سخت رنڈاپے کا زمانا
اٹھیں گے نہ یہ درد اس آوارہ وطن سے
بلبل یوں ہی مر جائے گی اب چھٹ کے چمن سے

جمیل مظہری

جمیل مظہری جدید عہد کے شاعر ہیں ۔انھوں نے اپنے تین آخری مرثیے مسدس کے تیسرے مصرعے کو ''غیر مقید'' کر کے لکھے ہیں ۱۹۸۰ء میں انہوں نے اپنا آخری مرثیہ اسی ہیئت میں تحریر کیا۔

جمیل مظہری کے مراثی میں نسائی کردار بہت بلند، بہت عظیم اور صبر وشکر کی نعمت کے ساتھ ساتھ دلیرانہ عزائم رکھتے ہیں ۔اور ان کی خواتین، دنیا کی تمام خواتین کے لیے قابل تقلید ہیں ۔ان کے ایک مرثیے ''عرفان عشق'' میں کربلا کی خواتین کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

عورتیں ان کی وہ برپا کن اخلاق عظیم جن کے سینوں میں دھڑکتا تھا دل ابراہیم
اپنے بچوں کو کیا فدیہ، راہ تسلیم شمع فانوس وفا، حجلہ عفت کی مقیم
پھینک کر سر سے ردا خیمہ سے باہر نکلیں
نصرت حق کے لیے بیلچے لے کر نکلیں

اپنے ایک مرثیہ ''پیمان وفا'' میں بی بی زینب کے کردار کو اس طرح نظم کیا ہے کہ اگر بی بی نے اپنے بیٹوں کو بھائی پہ فدا کر دیا تو انھیں اس کا غم نہیں وہ کمزور نہیں بہادر عورت نظر آ رہی ہیں ۔

قسم اس ماں کی کیا خون تمنا جس نے اپنے فرزندوں کو میدان میں بھیجا جس نے
دیکھا پردے سے لڑائی کا تماشا جس نے لاشیں آئیں تو کیا شکر کا سجدا جس نے
نہ کھلا سوگ میں بیٹوں کے بھی گیسو جس کا
پی لیا فرض کے احساس نے آنسو جس کا

مرثیہ ''عزم محکم'' میں صبح عاشور کا آغاز دکھایا گیا ہے کہ سب نوجوان میدان جنگ میں جانے کے لیے اور شہادت کے حصول کے لیے بے چین و مضطرب ہیں ۔اب ایسے میں خواتین کا کیا حال ہے ۔بی بی زینب سب بیبیوں سے مخاطب ہیں ۔

جو بیبیاں کہ خیمہ اقدس میں تھیں وہاں　　کہتی تھیں ان سے دختر سلطان انس و جاں
ہوتی ہے صبح رات کا پردہ ہے درمیاں　　کل ہوگا عورتوں کی بھی ہمت کا امتحاں
حیف ان پہ امتحاں میں جو سرخرو نہ ہوں
میداں میں جن کے دودھ کی دھاریں لہو نہ ہوں

جمیل مظہری نے کربلا کی خواتین کو انتہائی باہمت، صابر و شاکر اور اس امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے تیار ظاہر کیا ہے کیونکہ وہ شجاع اور بہادر لوگوں کی بہوویں اور بیٹیاں ہیں۔

ورد زباں جو تھی یہ شجاعت کی گفتگو　　رخ پر جلالت شہ مرداں تھی ہو بہو
عورت تھیں تھا رگوں میں مگر ہاشمی لہو　　کیوں کر نہ ہو کہ جعفر طیار کی بہو
بیٹی تھیں کس کی فاتح بدر و حنین کی
مجمل یہ مدح ہے کہ بہن تھیں حسینؑ کی

امام عالی مقام بہن کے پاس آئے اور فرمایا کہ ابن سعد نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر آپ بیعت کرلیں تو جھگڑا ابھی ختم ہو جائے گا اور اگر بیعت نہ کی تو وقت عصر تک گھر اجڑ جائے گا اور تمام صحابہ و انصار، عزیز و اقارب کے سر کاٹ لیے جائیں گے۔ بی بی زینب کی جرات ملاحظہ فرمایئے کہتی ہیں۔

زینب کے دل کی تھاہ امام زماں نہ لیں
میں آپ کی بہن ہوں مرا امتحاں نہ لیں

پھر آپ نے بھائی سے اپنی ہمت اور اپنی خاندانی نجابت کا تذکرہ اس طرح سے کیا۔

میں گود میں پلی ہوں شہہ قلعہ گیر کی　　ہوں حصہ دار خون جناب امیر کی
طاقت ہے مرے دل میں بھی نان شعیر کی　　گرمی رگوں میں فاطمہ زہرا کے شیر کی
یہ چاہتی ہوں حق کا علم سرنگوں نہ ہو
بھائی کا خون ہو پہ سچائی کا خوں نہ ہو

ہر دل ہے آج اپنی تمنا لیے ہوئے   قربان گاہِ فرض پہ تحفہ لیے ہوئے
مائیں کھڑی ہیں گود میں فدیہ لیے ہوئے   بندے ہے پیشکش کو سکینہ لیے ہوئے
حاضر رسن کے واسطے میرا گلا بھی ہے
پرچم کا کام دے تو یہ کہنہ ردا بھی ہے

میں خوش ہوں میرے لال جو گردن کٹا کے آئیں   ذکر ان کا کیا ہے خون میں قاسم نہا کے آئیں
رن سے جو آپ آئیں تو گھر کو لٹا کے آئیں   اٹھارہ سال کی مری محنت گنوا کے آئیں
سب ہو یہ حریت کا یہ پرچم اٹھا رہے
عباس کے لہو سے پھریرا رنگا رہے

پھر میرا کیا جب آپ کی گردن پہ سر نہیں   قربان جاوں مجھ کو اسیری کا ڈر نہیں
وہ ملک کیا بہشت ہے زنداں اگر نہیں   آزادی ضمیر کا جس میں گزر نہیں
بہتر رسن گلے میں قیود عمل سے ہے
زنجیر اہل فرض کا زیور ازل سے ہے

آپ کا جوش بیان کتنا مختلف ہے۔ دراصل کربلا میں بی بی زینب تمام اہل حرم کی نمائندہ ہیں اور آپ کے خطبوں کی وجہ سے ہی واقعہ کربلا کی تشہیر ہوئی ہے۔ اسی لیے آپ فرماتی ہیں۔

آئے گا جب وہ وقت تو ہمت کروں گی میں   ہو کر اسیر آپ کی نصرت کروں گی میں
اعلان عام سر شہادت کروں گی میں   حق کی قدم قدم پہ اشاعت کروں گی میں
ہوگا یہ غل کہ ہے یہ اشاعت اصول کی
سر ننگے پھر رہی ہے نواسی رسولؐ کی

مرثیہ ''مضراب شہادت'' میں بی بی رباب کا تذکرہ اس طرح سے کیا گیا ہے کہ:

لائیں رباب گود میں بچے کو مرحبا   دولت کو ان کی لیکے چلے شاہ کربلا
آواز دی بہن نے کہ بھیا یہ کیا یہ کیا   فرمایا مڑ کے قرض ابھی تک نہیں چکا

حضرت علی اصغر آخری شہید تھے۔ اس کے بعد امام حسینؑ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ نے اپنے جانثاروں کو آواز دی۔ بی بی زینب نے یہ آواز سنی تو آپ کی کیا حالت ہوئی۔

تڑپی یہ سن کے لاش رفیقان ذی وقار — زینب ہوئیں ادھر در خیمہ پہ بیقرار
آواز دی کہ آپ یہ بھیا بہن نثار — گر حکم ہو تو خیمے سے نکلے یہ سوگوار
دیتے نہیں جواب جو پیار سے حضور کو
آ کر بہن فرس سے اتارے حضور کو

مرثیہ ''فسانہ ہستی'' جو عون و محمد کے حال میں تحریر کیا گیا ہے۔اس میں بی بی زینب کے بچے شہید ہو کر میدان جنگ سے آئے تو بی بی نے کہا۔

دل پہ اس کوکھ جلی ماں نے بڑا جبر کیا
جس پہ تاریخ کو حیرت ہوئی وہ صبر کیا

اس کے بعد بھی آپ کے صبر و شکر کا یہ عالم ہے کہ:

بیٹھ کر لاش پہ آنسو نہ بہایا اس نے — صبر مخدومۂ کونین دکھایا اس نے
صحن میں آن کے سجادہ بچھایا اس نے — سجدہ شکر میں سر اپنا جھکایا اس نے
ماتا دل کو مسلنے جو لگی بات یہ کی
تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے مناجات یہ کی

آپ نے بھائی پر اپنے بیٹے قربان کیے تھے اس لیے علی اکبر سے فرمایا کہ ان لاشوں کو میدان میں لے جاؤ وجہاں سب آرام کر رہے ہیں مگر بھائی سے محبت کا یہ عالم ہے کہ جب امام عالی مقام نے استغاثہ بلند کیا تو بی بی اپنے بچوں سے اس طرح مخاطب ہوئیں۔

لاش تم دونوں کی مقتل میں پڑی ہے بیٹا — دن تو ڈھلتا ہے مگر دھوپ کڑی ہے بیٹا
چونکو غش سے کہ مصیبت کی گھڑی ہے بیٹا — آل احمد پہ قیامت کی گھڑی ہے بیٹا
ذبح ماموں کو کریں بہنوں کے زیور چھینیں
وقت اب وہ ہے کہ اعدا مری چادر چھینیں

جمیل مظہری نے مسدس کے تیسرے مصرعے میں جو تبدیلی کی اس کا ایک نمائندہ مرثیہ ''لمحہ غور'' ہے اس میں انہوں نے تیسرے مصرعے کو غیر مقید کر دیا لیکن ایک بیت بہت اہم ہے حضرت علی اکبر کی لاش امام حسینؑ سے اٹھائی نہیں جا رہی یہاں بی بی کا کردار یہ ہے کہ:

اب تلک در خیمہ تھیں مگر اب نکلیں
یا علی کہتی ہوئی زینب مضطر نکلیں

آگے چل کر اپنے بھائی کی تنہائی پہ اس طرح آہ وفغاں کر رہی ہیں کہ:

کہتی جاتی تھیں کہ ہے ہے مرے پیارے بھیا　　اس مصیبت میں بہن کس کو پکارے بھیا
ہر تباہی میں رہی جن سے سہارے کی امید　　وہ تو اب سوتے ہیں دریا کے کنارے بھیا
ہے گراں لاش پسر قوت بازو نہ رہا
ہائے قاسم نہ رہے عون جری تو نہ رہا

عباس باوفا شہید ہوگئے۔ مشک وعلم خیمہ میں لائے گئے۔ سب کے آنسو بہہ رہے تھے مگر ان آنسوؤں کا رنگ کتنا جدا ہے۔

نکلے جو دختر اسد رب کی آنکھ سے　　متقفل کی ریگ گرم پہ زینب کی آنکھ سے
بھیگا تھا دامن شب عاشور جن سے کل　　حق اپنا مانگتے ہیں سب کی آنکھ سے
بوئے گے جو کشت وفا کی زمین میں
گھٹ کر رہے جو دیدہ ام البنین میں

ایک اور مرثیہ ''نور ونار'' میں شب عاشور کے حوالے سے مختلف خواتین کا احوال بیان کیا ہے۔

شام ہی سے تھا بجھا فضہ مغموم کا دل　　ام قاسم کا جگر مادر معصوم کا دل
اپنے سینے میں جلی کوکھ کا احساس لیے　　شمع کے ساتھ پگھلتا رہا کلثوم کا دل
مترنم ہوا لہجہ جو دعائے شب کا
ذرے ذرے میں دھڑکنے لگا دل زینب کا

پلکیں تاروں کی ہیں نم چاند سا مکھڑا میلا　　شب کے آنسو جو ڈھلے آنکھ کا جل پھیلا
سب ہیں مشغول مناجات اٹھائے ہوئے ہاتھ　　ام فروا ہوں کہ زینب ہوں کہ ام لیلیٰ
سن لے تاریخ وفا غور سے کیا مانگتی ہیں
مائیں فرزندوں کے مرنے کی دعا مانگتی ہیں

رو کے پلکوں پہ جو اشکوں کی گھٹا وہ زینب　　جس سے نم دیدہ ہے رحمت بخدا وہ زینب
جو کہ تھی وقت کے بپھرے ہوئے طوفانوں میں　　فاتح معرکہ کرب و بلا وہ زینب
ایک گرتا ہوا گھر اٹھ کے سنبھالا جس نے
آگ میں پیر کے بچوں کو نکالا جس نے

مگر بی بی زینب اپنے بھائی کے مشن کو کامیاب بنانے والی ہیں آپ نے اپنے بھائی سے وعدہ کیا:

وعدہ کرتی ہوں کہ جس راہ میں جاؤں گی میں　　اس کے ہر موڑ پہ تاریخ بناؤں گی میں
قوم کو آپ کا پیغام سناؤں گی میں　　اس کی سوئی ہوئی عزت کو جگاؤں گی میں
تربیت یافتہ یا شاہ زمن آپ کی ہوں
یہ سمجھ لیجئے بھیا کہ بہن آپ کی ہوں

امام حسینؑ میدان جنگ میں گئے۔ وقت عصر آپ کا سر نوک نیزہ پہ بلند ہوا اس وقت کیا منظر تھا۔

جانے وہی کہ جس پہ مصیبت ہو یہ پڑی　　ذریت نبیؐ پہ قیامت کی ہے گھڑی
زینب جہاد نفس کی منزل میں ہیں کھڑی　　فریاد کرتی جاتی ہے زنجیر کی کڑی
زیور پہنائے جاتے ہیں بنت بتولؑ کو
دیتی ہے قوم اجر رسالت رسولؐ کو

مرثیہ ''ارباب وفا'' میں بی بی زینب کا احوال پیش نظر ہے۔ یقیناً ایسی بہن ہم کو کہیں نظر نہیں آتی جس نے اپنے بھائی پہ اپنے بچے فدا کر دیئے اور بھائی کے مشن کو ساری دنیا سے روشناس کرایا۔ یہ دنیا کی عظیم ترین بہن ہیں۔ جمیل مظہری ن ان کو اس طرح پیش کیا ہے۔

ہائے وہ تشنہ و مظلوم و دل افگار بہن　　بے کس و بے وطن و خستہ و ناچار بہن
بھائیوں اور بھتیجوں کی عزادار بہن　　اک لٹے قافلے کی قافلہ سالار بہن
جس کو سونپی گی کنبے کی امانت وہ بہن
صبر جس کا ہوا تفسیر شہادت وہ بہن

گرتی پڑتی جو گئیں سوئے خیام ابرار　　دیکھا آنکھوں سے کہ لٹتی ہے حسینی سرکار
شعلے اٹھ اٹھ کے ہوے جاتے ہیں بچوں پہ نثار　　دوڑیں اس سمت سنی فرض کی جس سمت پکار
آگ کی زد سے یتیموں کو نکالا آکر
غش جو بیمار کو آیا تو سنبھالا آکر

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کو اردو مرثیے کا آفتاب و ماہتاب کہا جاتا ہے۔ ان کے شاگردوں اور مقلدوں نے ان دونوں عظیم مرثیہ گو شعراء سے استفادہ بھی کیا ہے اور اپنے جذبہ فکر، اسلوب سخن اور شعور کربلا کی نسبت سے اضافے بھی کیے ہیں۔ ان شعراء کے کلام کو جیسا کہ ہم سطور بالا میں دیکھ چکے ہیں محض میر انیسؔ کی تقلید قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اکثر جگہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس واقعے اور جس صورتحال کو میر انیسؔ نے بیان کیا ہے اگر وہی واقعہ اور مقام ان مذکورہ مرثیہ گویوں کے پیش نظر رہا تو انہوں نے اسے میر انیسؔ کے اثرات سے بچا کر لیکن ان کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے اپنے انداز میں نسوانی کرداروں کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ یہ امر ان مرثیہ گو شعراء کی انفرادیت اور اہمیت کو مستند بناتا ہے کیونکہ واقعات ایک جیسے ہیں رشتوں کا تعلق مقرر اور طے شدہ ہے پھر انتہائی جذبات ایسے حالات اور مواقع پر کس طرح ظہور کرتے ہیں۔ یہ بھی کوئی نئی اور مختلف بات نہیں ہو سکتی۔ کمال یہ ہے کہ ان شعراء نے اپنے جذبات و محسوسات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ انسانی فطرت کے عین مطابق بھی ہیں اور ان میں ہر مرثیہ گو شاعر کا اپنا انفرادی رنگ بھی نمایاں ہے۔ اسے ہم میر انیسؔ کا تخلیقی اثر قرار دے سکتے ہیں۔

کتابیات

مصنف	کتاب	ناشر	سن
(۱) آزاد محمد حسین	آب حیات	ناصر پرنٹرز لاہور	۱۹۲۲
(۲) ابوالحسن بن حسین بن علی سعودی	معروج الذھب	نفیس اکیڈمی	۱۹۸۵
(۳) ابن عدابوالفرج اصفہانی	مقاتل الطالبین	دفتر نشر فرہنگ اسلامی	۱۳۸۷
(۴) ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری	طبقات ابن سعد	نفیس اکیڈمی	۱۹۷۱
(۵) ابی اسحاق اسفرائنی	نور العین فی المشہد الحسین	انقلاب میثم پریس لاہور	---
(۶) اثر سرفراز جائسی	تاجدار کربلا	قومی پریس لکھنو	۱۳۸۰
(۷) اثر لکھنوی	آینہ شہادت،	-	۱۹۵۴
(۸) احسن مہدی حسن سید	واقعات انیس	مطبع اصح المطابع لکھنو	-
(۹) احسن محمد فاروقی ڈاکٹر	مرثیہ نگاری اور میر انیس	لوہاری دروازہ اردو اکیڈمی لاہور	۱۹۵۱
(۱۰) احسن محمد فاروقی ڈاکٹر	نوائے انیس	مطبوعہ کراچی	۱۹۶۵
(۱۱) ادیب مسعود حسن رضوی	روح انیس	انڈین پریس الہ آباد	۱۹۳۱
(۱۲) ادیب مسعود حسن رضوی	رزم نامہ انیس	کتاب گھر لکھنو	۱۹۵۷
(۱۳) ادیب اسد ڈاکٹر	اردو مرثیہ کی سرگزشت	-	۱۹۸۹
(۱۴) ارتضٰی عباس نقوی سید	ام سلمٰی سلام اللہ علیہ	جاوداں پرنٹنگ پریس کراچی	۲۰۰۴
(۱۵) اشہری امجد علی	حیات انیس	مطبوعہ آگرہ	۱۹۰۷
(۱۶) افسر صدیقی	بیاض مراثی	انجمن ترقی اردو	۱۹۷۹
(۱۷) امیر احمد علوی	یادگار انیس	انوار المطابع لکھنو	۱۹۲۵
(۱۸) امیر علی جونپوری میر	جواہرات انیس	نظامی پریس لکھنو	۱۹۸۴

مصنف	کتاب	ناشر	سنہ
(۱۹) اکبر حیدری ڈاکٹر	باقیات انیس	محمدی پبلشرز لکھنو	۱۹۷۹
(۲۰) امیر علی جونپوری میر	جواہرات انیس	نظامی پریس لکھنو	۱۹۸۴
(۲۱) انیس ببر علی میر	مراثی انیس جلد اول تا چہارم	نولکشور پریس لکھنو	۱۹۵۸
(۲۲) انیس ببر علی میر	مراثی انیس جلد اول تا چہارم مرتبہ نائب حسین نقوی	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۵۹
(۲۳) انیس ببر علی میر	مرثی انیس جلد پنجم و ششم مقدمہ سید مسعود حسن رضوی ادیب	ایجوکیشنل پریس	۱۹۷۱
(۲۴) انیس ببر علی میر	مراثی انیس جلد اول تا دوم مرتبہ سید حیدر نظم طباطبائی	نامی پریس بدایوں	۱۹۳۵
(۲۵) انیس ببر علی میر	انتخاب مراثی مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل	مجلس ترقی ادب لاہور	-
(۲۶) اولاد حسین فوق بلگرامی	اسوۃ الرسولؐ	کمیلی پرنٹر پریس کراچی	۱۹۷۷
(۲۷) اوج محمد جعفر مرزا	معراج الکلام	نظامی پریس لکھنو	۱۹۲۴
(۲۸) بلگرامی سید علی اصغر	تمدن عرب	حیدرآباد دکن	۱۹۳۶
(۲۹) تعشق حسین مرزا	براہین غم	صادق پریس لکھنو	۱۹۲۷
(۳۰) تقی عابدی ڈاکٹر	یادگار انیس	دریا گنج نئی دہلی	۲۰۰۲
(۳۱) جعفر علی خاں اثر	انیس کی مرثیہ نگاری	دانش محل لکھنو	۱۹۵۱
(۳۲) جمیل جالبی ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو	سعادت آرٹ پریس لاہور	-
(۳۳) حامد حسن قادری	مختصر تاریخ مرثیہ گوئی	سپر آرٹ انگریوز کراچی	۱۹۶۴
(۳۴) حسن ابراہیم ڈاکٹر	باقیات انیس	محمدی پبلشرز لکھنو	۱۹۹۷
(۳۵) حسین بن علی واعظ	روضۃ الشہداء	اسود پرنٹنگ پریس	۱۹۸۷
(۳۶) دلگیر منشی	مجموعہ مراثی	مطبع نول کشور	غیر مرقوم

مصنف	کتاب	ناشر	سال
(۵۹) صالحہ عابد حسین	خواتین کربلا کلام انیس کے آئینہ میں	حیدری پریس لاہور	۱۹۷۴
(۶۰) ضمیر اختر نقوی ڈاکٹر	اردو مرثیہ پاکستان میں	شیخ شوکت علی اینڈ سنز	۱۹۸۲
(۶۱) ضمیر اختر نقوی ڈاکٹر	عظمت حضرت زینبؑ	مرکز علوم اسلامیہ کراچی	۲۰۰۸
(۶۲) ضیاء الحسن موسوی	علی ابن الحسینؑ	فیروز سنز	۱۳۹۵ھ
(۶۳) طالب الھاشمی	حبیب بریا کے تین سو اصحابؓ	ندیم یونس پرنٹر لاہور	۱۹۹۹
(۶۴) عاشور کاظمی سید	مرثیہ نظم کی اصناف میں	ایجوکیشنل پبلکشنگ ہاؤس دہلی	-
(۶۵) عبد الحلیم ندوی ڈاکٹر	عربی ادب کی تاریخ	المطبعۃ العربیہ	۱۹۹۹
(۶۶) عباس قمی شیخ	تنقیح المقال	امامیہ پبلیکشنز لاہور	۱۴۱۴
(۶۷) عباس قلی سپہر مرزا	ناسخ التواریخ	مطبع قدیم ایران	۱۳۱۳
(۶۸) علی ربانی شیخ خلخائے	ستارہ درخشاں مدینہ	اشارات مکتب الحسین	۱۴۲۵
(۶۹) غلام سرور ڈاکٹر	تاریخ ایران قدیم	خورشید درخشاں	۱۹۵۲
(۷۰) فاروقی اظہر علی	اردو مرثیہ	-	۱۹۸۰
(۷۱) فضل امام ڈاکٹر	انیس شخصیت اور فن	نعمانی پریس دہلی	۱۹۸۴
(۷۲) فرمان فتحپوری ڈاکٹر	میر انیس حیات اور شاعری	باب الاسلام پریس کراچی	۱۹۷۶
(۷۳) قاسم علی کربلائی مرزا	نہر المصائب	نول کشور پریس لکھنو	۱۸۹۲
(۷۴) قزوینی صدر الدین آقائی	ریاض القدس	ولی العصر ٹرسٹ	۱۹۹۷
(۷۵) قمی شیخ عباس	تنقیح المقال	امامیہ پبلیکیشنز لاہور	۱۴۱۴ھ
(۷۶) قمقام حسین جعفری ڈاکٹر	شاگردان انیس	مکتبہ جعفریہ کراچی	۱۹۷۹
(۷۵) کلیم الدین احمد	اردو شاعری پر ایک نظر	عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور	۱۹۶۵
(۷۸) کاشفی حسین بن علی واعظ	روضۃ الشہداء	اسود پرنٹنگ پریس	۱۹۸۷
(۷۹) گوپی چند نارنگ پروفیسر	سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ	ایجوکیشنل پبلیکشن ہاؤس دہلی	۱۹۸۶
(۸۰) گستاولی بان ڈاکٹر	تمدن ہند	انٹرنیشنل پریس	۱۹۶۲

ترجمہ سید علی بلگرامی

(۸۱) محمد بن شیخ طاہر سامی نجفی شیخ انصار العین مکتبہ العلوم ٹرسٹ غیر مرقوم

(۸۲) مسعود حسن رضوی ادیب روح انیس کتاب گھر لکھنو طبع سوم ۱۹۶۴

(۸۳) مفید شیخ مترجمہ سید صفدر حسین نجفی الارشاد امامیہ پبلکشنز لاہور ۱۹۸۵

(۸۴) مقبول بیگ پروفیسر بدخشانی تاریخ ایران مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۷

(۸۵) محمد مہدی آقائی معالی السبطین احوال الحسن وحسین ولی العصر ٹرسٹ ۱۹۸۹

(۸۶) مجاہد حسین سید الحاج انسان کامل ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۳۸۴

(۸۷) مجتبیٰ حسن ڈاکٹر حضرت رباب حسینی مشن راولپنڈی ۱۹۶۰

(۸۸) محمد رضا کاظمی ڈاکٹر جدید اردو مرثیہ عالمگیر پیکجز ۱۹۸۱

(۹۹) محمد چراغ علی ڈاکٹر اردو مرثیہ کا ارتقاء ۔ ۱۹۷۳

بیاجپور اور گولکنڈہ میں

(۹۰) محمد عقیل رضوی ڈاکٹر اردو مرثیہ کی سماجیات نصرت پبلیکیشنز لکھنو ۱۹۹۳

(۹۱) محمود الحسن صدیقی تاریخ اسلام سلور برڈٹ کمپنی نیویارک ۱۹۵۳

(۹۲) محمد بن شیخ طاہر طاہر سامی نجفی انصار العین مکتبہ العلوم ٹرسٹ غیر مرقوم

(۹۳) مسیح الزماں اردو مرثیے کا ارتقا اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو ۱۹۸۳

(۹۴) مشکور حسین یاد میر انیس کی شاعرانہ بصیرت زاہد بشیر پرنٹرز لاہور ۲۰۰۳

(۹۵) مفید مترجمہ سید صفدر حسین نجفی الارشاد امامیہ پبلکیشنز لاہور ۱۹۵۸

(۹۶) مقبول بیگ بدخشانی پروفیسر تاریخ ایران مجلس ترقی اردو ادب لاہور ۱۹۶۷

(۹۷) منظور علی علوی فکر انیس تعلیمی پریس لاہور ۱۹۷۷

(۹۸) مہذب لکھنوی مہذب اللغات نامی پریس لکھنو ۱۹۸۷

(۹۹) نیر مسعود بزم انیس رہبر پرنٹرز کراچی ۱۹۹۰

(۱۰۰) نفیس خورشید علی نظم نفیس نظامی پریس لکھنو غیر مرقوم

(۱۰۱) نفیس خورشید علی	نظم نفیس	نظامی پریس لکھنو	غیر مرقوم
(۱۰۲) نیر مسعود	انیس (سوانح)	زکی سنز پرنٹرز کراچی	۲۰۰۵
(۱۰۳) وزیرالدین حسین	سراج المھوم	مطبع یوسفی دہلی	۱۳۳۳
(۱۰۴) ہلال نقوی ڈاکٹر	بیسویں صدی اور جدید مرثیہ	نارتھ ناظم آباد کراچی	۱۹۹۴
(۱۰۵) یاد مشکور حسین	میر انیس کی شاعرانہ بصیرت	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور	۲۰۰۳

مضامین

(۱۰۶)

میر انیس کا سفر دکن — حیدر آباد کی علمی تاریخ کا ایک نادر ورق — مسعود حسن رضوی ادیب

بشمولہ سید آغا حسین ارسطو جاہی ماہنامہ ''ہمایوں'' لاہور نمبر ۱۹۴۰ء

(۱۰۷)

مرگِ انیس — بشمولہ: قاضی عبدالودود مجلّہ معاصر ۱۹۴۰ء پٹنہ شمارہ ۱۰

رسائل

(۱۰۸)	اردو معلی از شوکت بلگرامی ۱۹۱۰ء بہ حوالہ نگار اکتوبر ۱۹۵۱			
(۱۰۹)	آج کل	میر انیس ایک مختصر تعارف	-	جون ۱۹۷۵
(۱۱۰)	سیپ	میر انیس نمبر	مدیر نسیم درانی	۱۹۷۲
(۱۱۱)	نگار	میر انیس نمبر	مدیر ڈاکٹر فرمان فتحپوری	۱۹۷۱
(۱۱۲)	نقوش	میر انیس نمبر	مدیر محمد طفیل	۱۹۸۱
(۱۱۳)	رثائی ادب	انیس نمبر	مدیر ہلال نقوی	۲۰۰۲
(۱۱۴)	یادگاری مجلہ انیس بسلسلہ دوصد سالہ یوم وفات			

اخبارات

(۱۱۵) ''اودھ اخبار''

(۱۱۶) روزنامہ جنگ محرم الحرم خصوصی اشاعت ۱۹۷۲ء

(۱۱۷) روزنامہ جنگ ۸ دسمبر ۱۹۷۵ء